ماہنامہ

انذار

Inzaar

مدیر: ابویحییٰ

جولائی ۲۰۱۹

www.inzaar.pk

July 2019

ہم خدا کے وجود کا سب سے بڑا ثبوت ہیں اور
خدا ہمارے وجود کی واحد توجیہ ہے

Please visit our websites to read the articles and books of Abu Yahya online for free.

www.inzaar.org

www.inzaar.pk (Urdu Website)

Join us on twitter @AbuYahya_inzaar

Join us on Facebook

Abu Yahya's Official Page: facebook.com/abuyahya.inzaar

Inzaar Official Page: facebook.com/inzaartheorg

Join us on YouTube youtube.com/inzaar-global

WhatsApp Broadcast list: Please contact +92-334-1211120 from WhatsApp (Daily Msg Service-Broadcast Lists – No Groups)

To get books and Inzaar's monthly magazines at home anywhere in Pakistan, contact 0332-3051201 or 0345-8206011

To participate in online courses, visit ww.inzaar.org/online-courses/

To get any other information, email to **info@inzaar.org** and info@inzaar.pk

Our material in audio form is available on USB/CD

ابو یحییٰ کی نئی کتاب

بندگی کے سو رنگ

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''میں نے جن وانس کو اپنی بندگی ہی کے لیے پیدا کیا ہے۔''، (الذاریات 56:51)

بندگی کی یہ دعوت اپنے اندر اتنے ہی رنگ لیے ہوئے ہے جتنے خود زندگی کے مختلف رنگ، پہلو اور گوشے ہیں۔ پیش نظر کتاب میں زندگی کے ان رنگوں کو بندگی کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ اسی لیے اس مجموعہ مضامین کا نام ''بندگی کے سو رنگ'' رکھا گیا ہے۔

کتاب کا ہر مضمون وہ زاویہ نظر دیتا ہے جو ایک بندہ مومن سے اس کے مالک کو مطلوب ہے۔ چاہے اس کا تعلق زندگی کے فکری پہلو سے ہو یا عملی پہلو سے۔ بندگی کی سوچ مومن کی فکر و عمل کے ہر رنگ کا احاطہ کرتی ہے۔ یہ بندے کو آمادہ کرتی ہے کہ وہ زندگی کے ہر رنگ کو مالک کے بنائے ہوئے کینوس (canvas) کے پس منظر میں دیکھے۔

اس طالب علم کو یقین ہے کہ اس کتاب کے مطالعے کے بعد آپ کی زندگی بندگی کے رنگوں میں انشاء اللہ رنگ جائے گی۔ یہی اس کتاب کا مقصد تصنیف ہے۔

ابو یحییٰ

ماہنامہ

اِنذار

جولائی 2019ء شوال/ذوالقعدہ 1440ھ

جلد 7 شمارہ 7

ابویحییٰ کے قلم سے

مدیر:
ابویحییٰ ریحان احمد یوسفی

سرکولیشن مینیجر:
غازی عالمگیر

معاون مدیر:
عابد علی، بنت فاطمہ،
سحر شاہ، عظمیٰ عنبرین

معاونین:
محمد شفیق، محمود مرزا

فی شمارہ ــــ 25 روپے
سالانہ: کراچی (بذریعہ کوریئر) 500 روپے
بیرون کراچی (نارمل پوسٹ) 400 روپے
(زرتعاون بذریعہ منی آرڈر یا ڈرافٹ)
بیرون ملک 2500 روپے
(زرتعاون بذریعہ پوسٹل بیئرر آرڈر یا ڈرافٹ)
نارتھ امریکہ: فی شمارہ 2 ڈالر
سالانہ 24 ڈالر

P.O Box-7285, Karachi.
فون: 0332-3051201, 0345-8206011
ای میل: globalinzaar@gmail.com
web: www.inzaar.pk

نفسیاتی جنک فوڈ

جنک فوڈ (Junk Food) بازار میں دستیاب ایسی غذا کو کہتے ہیں جو لذیذ ذائقوں کی حامل، مگر غذائی اعتبار سے مضر صحت ہوتی ہے۔ یہ غذائیں کھا کر مزہ بھی آتا ہے اور پیٹ بھی بھر جاتا ہے، مگر رفتہ رفتہ یہ غذائیں انسان کو طرح طرح کے جسمانی عوارض میں مبتلا کر دیتی ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر اور غذائی ماہرین لوگوں کو جنک فوڈ سے دور رہنے کا مشورہ دیتے ہیں۔

جنک فوڈ کی ایک اور قسم نفسیاتی یا سائیکالوجیکل جنک فوڈ کی ہے۔ یہ وہ اشیائے تعیّشات ہیں جو بظاہر ہماری زندگی کو مزے اور آرام سے بھر دیتی ہیں۔ چنانچہ ہماری نفسیات میں ان چیزوں کی شدید خواہش پیدا ہوتی ہے اور ہماری بیشتر تگ ودو کا مقصد ان چیزوں کو اپنی زندگی میں زیادہ سے زیادہ جمع کرنا بن جاتا ہے۔ مگر رفتہ رفتہ یہ اشیائے تعیّشات ہمیں نفسیاتی اور ذہنی طور پر کمزور سے کمزور تر بناتی چلی جاتی ہیں۔ ہماری طبیعت میں سہل پسندی اور مزاج میں نزاکت پیدا ہو جاتی ہے۔ زندگی کی کسی مشکل کو ہم برداشت کرنے کے قابل نہیں رہتے۔

صرف یہی نہیں بلکہ نفسیاتی جنک فوڈ مادی طور پر بہت مہنگی ملتی ہیں۔ ان کے حصول کے لیے اکثر لوگ حلال و حرام اور جائز و ناجائز کے معاملے میں بے حس ہو جاتے ہیں۔ وہ دوسرے پر پیسہ خرچ کرنے کے بجائے ایک ایک پیسے کو اپنی ذات پر صرف کرتے ہیں۔ یہ تمام چیزیں ہمارے اخلاقی وجود کو ناکارہ بنا دیتی ہیں۔

اخلاقی وجود کا ناکارہ ہونا جسمانی وجود کے ناکارہ ہونے سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ جسمانی وجود ناکارہ ہو تو انسان زیادہ سے زیادہ مر جائے گا۔ مگر اخلاقی وجود ناکارہ ہو جائے تو انسان جہنم کی سزا کا حقدار ہوتا ہے جہاں انسان مردوں میں رہے گا اور نہ زندوں میں۔ یہی نفسیاتی جنک فوڈ کا وہ سب سے بڑا خطرہ ہے جس سے بے نیاز ہو کر ہم بے دریغ ان کو اپنی زندگی میں شامل کیے جا رہے ہیں۔

خواتین کے قضا روزوں کی حکمت

خواتین کے لیے رمضان میں حکم ہے کہ وہ اپنے مخصوص ایام میں روزے نہ رکھیں اور ان کی گنتی دوسرے دنوں میں پوری کریں۔ بیشتر خواتین کے لیے رمضان کے تین ہفتے سے زیادہ روزے رکھنے سے مشکل کام چھ سات دن کے یہ قضا روزے رکھنا ہوتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ رمضان میں سب لوگ روزے رکھ رہے ہوتے ہیں۔ایک ماحول بنا ہوتا ہے۔ چنانچہ اس اجتماعی ماحول کے تحت روزے رکھنا نسبتاً آسان ہوتا ہے، چاہے موسم گرم ہو، دن لمبا ہو یا روزوں کی تعداد زیادہ ہو۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خواتین کو اس اضافی مشقت میں کیوں ڈالا؟ ان دنوں میں چھوڑی گئی نمازوں کی طرح یہ روزے بھی معاف کیے جا سکتے تھے یا رمضان ہی میں ان کو رکھنے کی اجازت دے دی جاتی تو خواتین کے لیے بہت آسانی ہو جاتی ہے۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان روزوں کے ذریعے سے خواتین کی ایک مزید تربیت کرنا چاہتے ہیں۔ یہ قضا روزے رمضان کے روزوں کی طرح اجتماعی طور پر نہیں بلکہ انفرادی طور پر رکھے جاتے ہیں۔اس کے لیے معاشرے سے کٹنا پڑتا ہے۔ معاشرے کے برخلاف جانا پڑتا ہے۔خواتین اگر سمجھیں تو یہی وہ تربیت ہے جو خواتین کو اس قابل بناتی ہے کہ وہ زمانے کے برخلاف اپنے بچوں کو راہ راست پر رکھ سکیں۔اپنے شوہروں کو زمانے کی بری روش کے خلاف چلنے پر آمادہ کر سکیں۔سب سے بڑھ کر اپنی ذات کو زمانے کے فیشن اور ماحول سے بے نیاز رکھ کر اپنے اصولوں پر زندگی گزار سکیں۔

بے روح اور بے سمجھے عبادات ادا کرنے کے ماحول میں اگر خواتین قضا روزوں کی اس حکمت کو سمجھ لیں تو ان کے قضا روزے ان کی اور ان کے خاندان کی زندگی بدل سکتے ہیں۔

بھارتی الیکشن اور مسلمان

2019 کے الیکشن میں انتہا پسند ہندو جماعت بی جے پی بھاری اکثریت سے جیت گئی۔ اس جیت کو دیکھنے کے دو زاویے ہیں۔ عالم اسباب میں یہ وہی رجحان ہے جو بیشتر غیر مسلم دنیا میں ظاہر ہو رہا ہے۔ یعنی سوشل میڈیا کو استعمال کرتے ہوئے انتہا پسندانہ رجحانات کو استعمال کیا جائے۔ پوسٹ ٹرتھ کی ایک جھوٹی دنیا تخلیق کی جائے اور لوگوں کو اقلیتوں کی نفرت اور خوف میں مبتلا کر کے اپنی مرضی کے انتخابی نتائج حاصل کر لیے جائیں۔ اسرائیل سے لے کر یورپ اور امریکہ سے لے کر ہندوستان تک یہی ہوا ہے۔

دوسرا زاویہ وہ ہے جس کو ہم نے اپنی کتاب آخری جنگ میں بیان کیا تھا۔ مسلمانوں نے دنیا بھر میں نہ صرف اپنی دعوتی ذمہ داریوں سے غفلت برتی ہے بلکہ اپنے عمل سے ایمان واخلاق کی شہادت دینے کے بجائے ایمان و اخلاق کے تقاضوں کو پامال کرنے کو اپنا معمول بنا رکھا ہے۔ جس کے بعد مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا تحفظ ختم ہو جاتا ہے اور شیاطین کو کھلی چھوٹ مل جاتی ہے۔ یہ شیاطین انسانوں میں سے اپنے ساتھیوں کو استعمال کر کے نفرت کو پھیلاتے ہیں۔ اس کا آخری انجام یہ ہوتا ہے کہ غیر مسلم مسلمانوں پر مسلط کر دیے جاتے ہیں اور وہ قہر الٰہی بن کر خدا کے نام پر کھڑے منافقوں کو عبرت کا نشان بنا دیتے ہیں۔

ہماری دعا اور خواہش ہے کہ ہمارا یہ تجزیہ بالکل غلط ہو۔ مگر دنیا میں خدا کے نام پر کھڑے ہونے والوں کی چار ہزار سالہ تاریخ کا اس کے سوا کوئی دوسرا سبق نہیں۔ اس بڑھتے ہوئے طوفان کو روکنے کا ایک ہی طریقہ ہے۔ مسلمان ایمان واخلاق کی نبوی دعوت کو اپنی زندگی بنالیں۔ وہ اپنی دعوتی ذمہ داریوں کو نبھائیں جو ختم نبوت کے بعد ان پر عائد ہوتی ہیں۔ مسلمان اگر تو یہ نہیں کرتے تو جلد یا بدیر دنیا اپنی آنکھوں سے دیکھے گی کہ خدا کے نام پر کھڑے منافقوں کو کس طرح عبرت کا نشان بنا دیا جاتا ہے۔

نماز سے زندگی بدلیں

نماز اسلامی عبادات میں سب سے اہم اور بنیادی عبادت ہے۔نماز کی فرضیت، اہمیت، فضیلت اتنی زیادہ بیان کی جاتی ہے کہ دین کی طرف آنے والا ہر شخص نماز کی پابندی کا اہتمام کرنے پر خود کو مجبور پاتا ہے۔اس وقت بھی لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد ہے جو پنج وقتہ نماز پابندی سے ادا کرتی ہے۔

تاہم اس کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے کہ نماز کے جو اثرات فرد اور اس کے نتیجے کے طور پر معاشرے کی اجتماعی زندگی پر نظر آنے چاہئیں وہ نظر نہیں آتے۔ مثلاً قرآن مجید یہ بتاتا ہے کہ نماز پڑھنے کا عمل انسان کو فواحش اور منکرات سے روکتا ہے، (العنکبوت 45:29)۔مگر اس کے باوجود مشاہدہ ہے کہ باقاعدہ نمازیوں کی زندگی میں بھی باقی لوگوں کی طرح فواحش اور منکرات سب شامل ہوتے ہیں۔ان کی نماز ان کی زندگی میں کوئی حقیقی تبدیلی نہیں لاتی۔

اس کا بنیادی سبب نماز کی حقیقت جو اس کی روح ہے، اس سے غافل رہ جانا ہے۔نماز اپنی حقیقت میں خدا کی پرستش ہے۔قرآن مجید میں بیان ہوا ہے کہ نماز پڑھنے کا مقصد خدا کی یاد کو تازہ کرنا ہے، (طہٰ 14:20)۔نماز کے عمل میں انسان کے پاس یہ موقع ہوتا ہے کہ وہ خدا کے قرب کو حقیقی معنوں میں محسوس کر سکتا ہے، (العلق 19:96)۔

تاہم نماز کی اس حقیقت اور مقصد کا اصل تعلق انسانی نفسیات اور انسانی ذہن کے ساتھ جڑا ہے۔اگر کوئی شخص نماز اس طرح پڑھ رہا ہے کہ دوران نماز اس کا ذہن کہیں اور بھٹک رہا ہے، جو کچھ وہ نماز میں پڑھ رہا ہے اس کا ایک لفظ بھی اسے سمجھ میں نہیں آ رہا، اس کے لیے نماز بس ایک رسم و عادت کی چیز ہے اور عین نماز میں بھی اس کی نفسیات خدا کے سامنے نہیں جھکی تو اس طرح کی نماز کا وہ فائدہ انسان کو نہیں مل سکتا جو قرآن پاک میں مذکور ہے۔

اس ضمن میں البتہ ایک سوال یہ ہے کہ بہت سے لوگ سنجیدگی سے نماز کو اس کی روح کے ساتھ پڑھنا چاہتے ہیں۔ مگر عملی طور پر ہوتا یہ ہے کہ وہ اپنی مصروفیات میں اس طرح منہمک ہوتے ہیں کہ ان کا ذہن پوری طرح وہیں لگا ہوا ہوتا ہے۔ وہ کام کے دوران میں نماز کے لیے اٹھتے ہیں اور نماز کو کسی طرح بھی ادا کر کے واپس کام کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ ایسی نماز میں نہ خدا یاد آتا ہے نہ نماز کی حقیقت اور مقصد یاد رہتا ہے۔

اس مسئلے کا حل بھی خود قرآن مجید نے بیان کر رکھا ہے۔ ایک یہ کہ نماز سے قبل وضو کی شرط رکھی گئی ہے۔ وضو کا عمل انسان کو یہ موقع دیتا ہے کہ وہ دنیا اور مسائل دنیا سے خود کو وقتی طور پر پاک کر لے۔ دوسرے یہ کہ اہل ایمان سے یہ مطلوب ہے کہ وہ نماز میں خشوع اختیار کریں۔ خشوع دل میں پیدا ہونے والے اس رعب کا نام ہے جس کے نتیجے میں انسان میں پستی اور عاجزی کے اثرات آجاتے ہیں۔ یہ خشوع پیدا ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ انسان نفسیاتی طور پر خود کو خدا کے سامنے نہ سمجھے۔ چنانچہ جو شخص نماز میں اس حکم کی تعمیل کی کوشش کرے گا، وہ خود میں حیرت انگیز تبدیلی دیکھے گا۔

تاہم اس کے باوجود بھی اگر تبدیلی نہ آئے تو پھر ہر نماز کے بعد کچھ دیر بیٹھ کر بس اتنا حساب لگا لیا جائے کہ میں نے جو نماز میں ابھی کہا ہے کہ اے رب مجھے سیدھی راہ دکھا تو خود میں اس نماز سے پچھلی نماز تک اس سیدھی راہ پر چلا ہوں۔ جو غلطی نظر آئے اس پر معافی مانگے اور اگلی نماز تک سیدھی راہ پر چلنے کا عزم کرے۔ یہ فکر کی وہ عظیم عبادت ہے جو اپنی ذات میں اللہ کو مطلوب ہے اور نماز کے بعد کچھ دیر بیٹھ کر یہ کام کرنا بہت آسان بھی ہے اور بہت مفید بھی۔

جو لوگ اس طرح نماز کو اپنا معمول بنائیں گے وہ دیکھیں گے کہ ان کی نماز نے واقعی ان کو بدلنا شروع کر دیا ہے۔ یہ چیز ان شاء اللہ رفتہ رفتہ پورے معاشرے کو بدل کر رکھ دے گی۔

قوم کی مایوسی اور اس کا حل

پاکستان کے موجودہ معاشی بحران نے قوم کو مایوسی کی دلدل میں دھکیل دیا ہے۔ قوم نے نئے حکمرانوں سے تبدیلی کی ایک توقع لگا رکھی تھی۔ تبدیلی آئی، مگر جس معاشی تباہی اور مہنگائی کے ساتھ آئی اس پر ہر شخص پریشان ہے۔ پیش نظر مضمون کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ دنیا میں قومی سطح پر حقیقی اور دیرپا تبدیلی کس طرح آتی ہے۔ تاہم اس سے قبل یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ ہمارا ملک ابھی بھی بہتری کی طرف جا سکتا ہے۔ اس لیے مایوس ہونے کے بجائے صحیح راستہ اختیار کرنا ضروری ہے۔

ہم جس خطے میں رہتے ہیں وہ اپنے وسائل کے اعتبار سے اتنا غیر معمولی ہے کہ معلوم تاریخ میں تقریباً ساڑھے تین ہزار سال کی بدترین لوٹ مار کے باوجود مسلسل سونا اگلتا رہا ہے۔ آریاؤں سے لے کر سکندر اعظم اور افغانوں سے لے کر انگریزوں تک بیرونی حملہ آوروں نے اس بے رحمی سے اس خطے کو لوٹا اور نوچا کھسوٹا ہے کہ کوئی اور خطہ ہوتا تو شاید ویران ہو چکا ہوتا، مگر اس درجہ کی لوٹ مار کے باوجود یہ خطہ آج بھی دنیا کی ایک چوتھائی سے زائد آبادی کو اس کے نااہل اور کرپٹ حکمرانوں کے ہوتے ہوئے بھی وسائل زندگی فراہم کیے ہوئے ہے۔

اس خطے کے اس غیر معمولی پوٹینشل کے باوجود ہمارے انحطاطِ مسلسل کا اصل سبب یہ ہے کہ ہم نے سیاست کو تبدیلی کا اصل میدان سمجھ رکھا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سیاسی میدان ہو یا معاشی میدان، ان میں تبدیلی سے کوئی حقیقی تبدیلی نہیں آتی۔ ہم نے ساٹھ کی دہائی میں ایوب خان کی شکل میں ایک عظیم معاشی ترقی اور ستر کی دہائی میں بھٹو صاحب کی شکل میں عظیم سیاسی تبدیلی کو دیکھا۔ مگر چونکہ سماج نہیں بدلا تھا اس لیے یہ معاشی اور سیاسی تبدیلیاں مزید تباہی کے سوا کوئی نتیجہ پیدا نہیں کر سکیں۔

حقیقت یہ ہے کہ کوئی ملک صرف اسی وقت ترقی کے راستے پر قدم رکھتا ہے جب سماج میں

تبدیلی آئے۔لوگوں کے اندازفکر میں تبدیلی آئے۔لوگ جذبات کے بجائے اصولوں پر فیصلے کرنے لگیں۔لوگوں کے لینے اور دینے کے پیمانے ایک ہوں۔لوگ اپنے تعصّبات سے اٹھ کر عدل کی بنیاد پر معاملات کرنے لگیں۔لوگوں میں اقدار، تعلیم، اخلاقیات، انسانی اور تہذیبی رویوں کی اہمیت کا شعور پیدا ہو جائے۔

ان چیزوں کا اگر خلاصہ کیا جائے تو سماجی تبدیلی کے دو بنیادی میدان سامنے آتے ہیں۔ ایک یہ کہ لوگ اخلاقی اور انسانی اقدار کے فروغ کے لیے اٹھیں اور اسے معاشرے کا سب سے بڑا مسئلہ بنادیں۔ دوسرا یہ کہ ہم اپنی عوام کو تعلیم یافتہ بنائیں اور ان کے شعور کو جذباتیت کے بجائے معقولیت کی بنیاد پر استوار کریں۔گرچہ اس کے علاوہ بھی سماجی ترقی اور تعمیر کے بہت سے میدان ہیں جن پر ہم اپنی تحریروں میں توجہ دلاتے رہتے ہیں، مگر یہی وہ دو بنیادی میدان ہیں جو باقی میدانوں میں بھی بہتری کا سبب بنیں گے۔

ان تمام میدانوں میں کام کرنے کا طریقہ کیا ہے، اس کے لیے سماجی کام کا جو بہترین رول ماڈل ہمارے سامنے ہے وہ عبدالستار ایدھی صاحب کی شخصیت ہے۔ایدھی صاحب نے ہر سیاسی اور معاشی معاملے سے بے نیاز ہو کر خدمت خلق کا کام شروع کیا۔وہ ساٹھ اور ستر کی دہائی میں خاموشی سے کام کرتے رہے۔ یہاں تک کہ سن اسی کی دہائی میں وہ پہلی دفعہ ملکی سطح پر نمایاں ہوئے۔جس کے بعد انھیں لوگوں کی معاونت میسر آئی اور انھوں نے ایدھی فاؤنڈیشن کی شکل میں ایک بڑا ادارہ بنا دیا۔

نتائج، تحسین، ملامت غرض ہر چیز سے بے نیاز ہو کر مکمل یکسوئی سے انھوں نے جو کام کیا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ خدمت خلق کی ایک ایمپائر کو تشکیل دینے میں کامیاب رہے۔اس کے ساتھ ساتھ وہ دوسروں کے لیے بھی ایک رول ماڈل بن گئے۔آنے والے عشروں میں جب پاکستانی معاشرہ ہر پہلو سے زوال پذیر ہوا، خدمت خلق کا شعبہ وہ واحد شعبہ تھا جس میں ہونے والے

کاموں کی نظیر پوری دنیا میں ڈھونڈنا مشکل ہے۔ یہ سب ایدھی صاحب کے اثرات تھے۔

ایدھی صاحب کا رول ماڈل یہ بتاتا ہے کہ سماجی تبدیلی کا کام کیسے کیا جاتا ہے۔ اس میں دوسروں سے بے پرواہو کر ایک مقصد کے لیے زندگی لگانی پڑتی ہے۔ خود کو بنیادوں میں دفن کرنا پڑتا ہے۔ پھر کہیں جا کر قومی زندگی کی وہ شاندار عمارت تعمیر ہوتی ہے جس پر آپ کا نام شاید کندہ نہ ہو، مگر اس کی تعمیر میں آپ کا کردار بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔

ہمارے نوجوانوں کو سیاست کے بجائے اپنی مرضی کا کوئی بھی میدان چن کر اس کے لیے زندگی لگانی ہوگی۔ تب کہیں جا کر حقیقی تبدیلی آئے گی۔ ہم نے اوپر جو دو میدان بیان کیے ہیں، ہمارے نزدیک وہ بنیادی ہیں۔ لیکن لوگ چاہیں تو دوسرے میدان بھی اختیار کر سکتے ہیں۔ یہ میدان اتنا سادہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ مہنگائی اور ناجائز منافع خوری کے خلاف ایک عوامی انجمن بنا کر زندگی اسی کام میں لگادیں کہ اس حوالے سے عوامی شعور بیدار کر کے لوگوں کو منظّم کرنا ہے۔ یہ بھی بہت بڑی سماجی خدمت ہوگی۔ اس طرح کے دسیوں کام اس بات کے منتظر ہیں کہ لوگ آئیں اور اپنی زندگی لگائیں۔ تب کہیں جا کر یہ معاشرہ بہتر ہونا شروع ہوگا۔

یہ اصول یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ افراد کا معاملہ قیامت کے دن طے کریں گے لیکن قوموں کا محشر یہی دنیا ہے۔ اور قوموں کے بارے میں وہ قرآن میں اصول بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتے جب تک وہ قوم خود اپنی حالت نہ بدلے، (الرعد 11:13)۔ قوم کی حالت افرادِ ملت کا وہ عزم ہی بدل سکتا ہے جس کی تفصیل ہم نے اوپر بیان کی ہے۔

باقی جہاں تک موجودہ سیاسی حالات کا تعلق ہے تو اس میں چند اصولی باتیں ہمیں یاد رکھنی چاہئیں۔ پہلی یہ کہ ہزاروں برس کے سماجی ارتقا کے بعد اللہ تعالیٰ نے دنیا کو جمہوریت کا وہ نظام عطا کیا جس میں غاصبوں اور خارجی حملہ آوروں کے بجائے عوام کے پاس یہ موقع ہے کہ وہ اپنے حکمرانوں کا انتخاب کریں اور جو حکمران ان کی بہتر خدمت نہ کرے، اسے رد کر دیں۔

بد قسمتی سے یہاں کے جذباتی عوام نے اللہ کی اس نعمت کا فائدہ اٹھانے کے بجائے حکمرانوں اور سیاسی لیڈروں سے عشق شروع کردیا۔ جس کے بعد لیڈروں نے عوام کے ساتھ وہی کیا جو بے وفا محبوب عاشقوں کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ عوام کو پہلا سبق یہ سیکھنا چاہیے کہ لیڈروں سے عشق نہ کریں۔ یہ آپ کو برباد کردیں گے۔

دوسرا اہم سبق یہ ہے کہ جمہوری نظام آپ کی سب سے بڑی طاقت ہے۔اس نظام میں آپ کچھ برس بعد کسی بھی حکمران سے جان چھڑا سکتے ہیں۔اگر خوشنما باتیں کرنے والا کوئی فرد یا گروہ اقتدار پر قابض ہوگیا تو عشروں تک آپ کی جان نہیں چھوڑے گا۔اس لیے حالات سے مایوس ہوکر کبھی کسی ایسے شخص کی بات کو نہ سنیں جو انقلاب اور نظام کی تبدیلی کی باتیں کرکے آپ سے پانچ سال میں حکومت کی تبدیلی کا موقع چھیننا چاہتا ہے۔

تیسرا اہم سبق یہ ہے کہ کبھی اپوزیشن کی کسی احتجاجی تحریک میں شریک نہ ہوں جو وقت سے پہلے کسی حکومت کو گرانے کی کوشش کرے۔ہم جانتے ہیں ایسی کسی تحریک سے حکمران ہٹ بھی جائیں تب بھی عوام کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔سسٹم کو چلنے دیں۔اس میں بہتری کی کوشش کرتے رہیں۔اصلاحات لائیں۔خرابیوں کو دور کریں۔لیکن سسٹم کو رکنے نہ دیں۔اسی میں خیر ہے۔

آخری بات یہ ہے کہ مایوسی کو ایک کونے میں رکھیے۔ اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں۔اس سے توفیق طلب کریں۔اور دوسرے کو چھوڑ کر اپنے حصے کا کام شروع کردیں۔اگر خود کچھ کام کرنے کی ہمت اور صلاحیت نہیں تو جو لوگ یہ کام کر رہے ہیں ان کا ساتھ دیجیے۔قومیں ایسے ہی بنتی ہیں۔قومیں ایسے ہی مایوسی کے بھنور اور بدحالی کے گرداب سے نکلتی ہیں۔

یہ نہ سوچیں کہ مجھ اکیلے سے کیا ہوگا۔ جب ایدھی جیسا غریب اور کمزور شخص ایک سماجی انقلاب لاسکتا ہے تو آپ سب ان سے زیادہ تعلیم یافتہ اور باصلاحیت ہیں۔اٹھیے! وقت آپ کا منتظر ہے۔ اٹھیے کہ آپ کے اوپر قوم کی تقدیر منحصر ہے۔

ہمارے حکمران ہی ہماری سزا ہیں

سوال یہ ہے کہ ہمارا وہ کون سا گناہ ہے جس کی سزا ستر برسوں سے ہمیں ان حکمرانوں کی شکل میں مل رہی ہے۔ جو حکمران آتا ہے وہ ذاتی زندگی میں بے حد کامیاب ہوتا ہے، مگر قوم کا بیڑا غرق کرنے میں ذرا بھی دیر نہیں لگاتا ہے۔ مہنگائی میں بلکتے سسکتے عوام پر پوری بے رحمی سے مزید مہنگائی کا بوجھ ڈال کر اقتدار کے مزے لیتا رہتا ہے۔

حکمرانوں کی مذمت کے لیے قارئین دوسرے لوگوں سے رجوع کریں۔ ہم تو صرف یہ بتائیں گے کہ ایسے نااہل اور نکمے حکمران کیوں ہمارا مقدر بنتے ہیں۔ ہمارا گناہ یہ ہے کہ ہم دنیا میں اسلام کے علمبردار بن کر کھڑے ہیں۔ ہمارے ملک کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے۔ ہمارا آئین ہمارا مذہب اسلام قرار دیتا ہے۔ قرار داد مقاصد جو ہمارے آئین کا حصہ ہے وہ شروع یہیں سے ہوتی ہے کہ اقتدار اعلیٰ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

مگر اس کے بعد عملی طور پر ہم زندگی کے ہر شعبے میں اسی خدا کی نافرمانی کرتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کا حکم ہے کہ تم حق اور سچ کے علمبردار بنو اور کسی قوم کی دشمنی تمھیں عدل سے دور نہ کردے۔ مگر ہمارا حال یہ ہے کہ ہم ہر مقام پر اپنے تعصّبات کے اسیر ہیں۔ ہم اپنے اپنے سیاسی لیڈروں کو پوجتے ہیں اور ان کی ہر غلطی اور جرم پر پردہ ڈالنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ خدا کے نام پر کھڑے ایسے منافقوں کو سزا کیوں نہ دی جائے؟ ہمیں حکم ہے کہ ہر تفرقہ بازی سے اوپر اٹھ کر صرف مسلمان کے طور پر اپنی شناخت کو اختیار کریں۔ مگر اس ملک میں شیعہ، سنی، دیوبندی، بریلوی اور اہل حدیث علما اور مساجد کے درمیان مسلمانوں کو ڈھونڈنا ایک مشکل کام ہے۔ خدا کی اس کھلی نافرمانی پر سزا انہیں ملے گی تو کیا پھولوں کے ہار پہنائے جائیں گے؟

ہمیں حکم دیا گیا ہے خدا کو اپنی بندگی اور اس کے نبی کو اپنی اطاعت کا واحد مرکز بنائیں۔ مگر

ہم اپنے لیڈروں کی محبت میں اندھے ہوکر خدا اور اس کے رسول کے ہر حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔اس کے بعد سزا نہیں ملے گی تو کیا خدا کی رحمت نازل ہوگی؟ ہمیں حکم ہے کہ ہم عہد و امانت کی پاسداری کریں۔ ملاوٹ نہ کریں۔ ناپ تول میں ڈنڈی نہ ماریں۔جھوٹ نہ بولیں۔سنی سنائی بات کو بلا تصدیق آگے نہ پھیلائیں۔کسی پر الزام و بہتان نہ لگائیں۔مگر اس میں سے کون سا حکم ہے جسے ہم ہر روز پامال نہیں کرتے؟ ہمارے ہاں نہ دوا خالص ملتی ہے نہ غذا۔ رمضان کے مہینے میں بھی ہم لوٹ مار سے باز نہیں آتے۔ایسے مجرموں کی سزا یہ ہے کہ ہر برکت ان سے اٹھالی جاتی ہے۔

ہمیں حکم ہے کہ ہم ایمان و اخلاق کی قرآنی دعوت کو زندگی بنائیں۔ہم اپنے کردار میں صبر،عفوو درگزر،عدل واحسان،عہد و امانت کی پاسداری،صدق وسچائی اور نرمی وحسن خلق جیسے اعلیٰ اوصاف پیدا کریں۔مگر ہم فرقہ واریت، انتہا پسندی، چند ظاہری رسوم اور اپنی بدعتوں اور خواہشوں کو دین بنا کر پیش کرتے ہیں۔ایسے بے وفا لوگوں پر خدا کی عنایت کیسے ہوسکتی ہے؟

ہمیں حکم ہے کہ ہم خدا سے سب سے بڑھ کر محبت کریں۔اس کے محبوب نبی کے اخلاق کریمانہ کو اختیار کریں۔اس کے بندوں کے لیے آسانیاں پیدا کریں۔اس کی راہ میں مال خرچ کریں۔ والدین، رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کریں۔ پڑوسیوں، ملازموں،مسافروں، یتیموں اور غریبوں پر رحم کریں۔اپنی ڈیوٹی پوری فرض شناسی کے ساتھ نبھائیں۔قانون کی پاسداری کریں۔مگر ان میں سے کون سی چیز ہماری سیرت و کردار کا حصہ ہے؟ ہم مفاد پرست، خواہش پرست،فحش بین،سود خور،کام چور، غیر ذمہ دار اور قانون شکن ہیں۔ایسے خطا کار کیسے معافی پاسکتے ہیں؟

ہمیں جان لینا چاہیے جو لوگ دنیا میں خدا کے نام پر کھڑے ہوتے ہیں،ان کے ساتھ اللہ

تعالیٰ وہ معاملہ نہیں کرتے جو عام لوگوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ ہم نے اپنے آئین پر خدا، اس کے دین اور اس کے نبی کا نام لکھ رکھا ہے۔ اتنا مقدس عہد باندھنے کے بعد ہمارے پاس منافقت کی کوئی گنجائش باقی نہیں ہے۔ ہم نے اگر ایمان و اخلاق کی اصل دینی تعلیم کو زندگی نہیں بنایا۔ لوگوں کے سامنے اس کی گواہی نہیں دی تو ہمیں اسی دنیا میں عبرت کا نشان بنا دیا جائے گا۔ دنیا اپنی آنکھوں سے دیکھے گی کہ خدا سے غداری کرنے والوں کا انجام کیا ہوتا ہے۔ ہاں اگر ہم نے توبہ کی، اپنے تعصّبات سے باز آگئے، ایمان و اخلاق کو اپنی زندگی بنالیا تو اسی دنیا میں عروج و کامرانی ہمارا مقدر ہوگی۔

ہمارے لیے ایک ہی راستہ ہے...... اپنے رب سے توبہ اور اپنی اصلاح کا راستہ۔ ورنہ ہم اپنے ہر حکمران کو خوشی خوشی کندھوں پر بٹھا کر لائیں گے مگر خدا اسے ہمارے لیے ایک سزا بنا دے گا۔ پھر زیادہ وقت نہیں گزرے گا کہ باہر کی قوموں کو ہم پر مسلط کر دیا جائے گا اور جو کچھ نام نہاد آزادی باقی ہے اسے بھی ختم کر دیا جائے گا۔

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ کسی قوم میں کوئی آدمی ہو جو ایسے اعمال کرتا ہو جو گناہ اور خلاف شریعت ہیں اور اس قوم اور جماعت کے لوگ اس کی قدرت اور طاقت رکھتے ہوں کہ اس کی اصلاح کر دیں اور اس کے باوجود اصلاح نہ کریں تو ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ مرنے سے پہلے کسی عذاب میں مبتلا فرمائے گا۔ (ابی داوٗد، ابن ماجہ)

سوال و جواب

ابو یحییٰ/ثمر عمیر

گیم آف تھرون

سوال:

السلام علیکم

سر گیم آف تھرونز آج کل ایک انتہائی مقبول ڈرامہ سیریز ہے اور مذہبی لوگوں سمیت بہت سے لوگ اس ڈرامہ کو دیکھتے ہیں۔ تاہم اس میں قباحت یہ ہے کہ اس میں فحش اور حیا باختہ مناظر بھی شامل ہوتے ہیں۔

اس پر مزید یہ کہ اس کی کچھ اقساط رمضان المبارک میں بھی ریلیز کی جائیں گی۔ اور بہت سے مسلمان رمضان میں بھی ان کو دیکھیں گے۔

اگر آپ اس بارے میں کچھ رہنمائی فرمائیں تو یہ بہت فائدہ مند ثابت ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دین کے لیے آپ کی خدمات کو قبول فرمائیں۔ آمین۔

نجم الحسن آفتاب علوی

جواب:

محترم نجم الحسن صاحب

السلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہ

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں انسانوں کا جو امتحان رکھا ہے اس میں دو بڑے پہلو انانیت اور نفسانی خواہش پر قابو رکھنا ہے۔ یہ دو چیزیں جب انسان پر غلبہ پاتی ہیں تو انسان بے بس ہو جاتا ہے۔ یہ چیزیں جب عام ہو جائیں تو معاشرے میں فساد پھیل جاتا ہے۔

روزوں کا مقصد ہی یہی ہے کہ انسان اپنے اوپر قابو پانا سیکھے۔ وہ بھوک اور پیاس کو برداشت کرے اور یہ جانے کہ اس کا عزم جبلت کے بے لگام گھوڑے پر لگام ڈال سکتا ہے۔ وہ تعلق زن وشو سے باز رہے اور یہ جانے کہ وہ اپنی خواہشات کو مغلوب کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

بدقسمتی سے ہمارے ہاں روزے کا یہ اصل مقصد بالکل زیر بحث نہیں آتا۔ لوگ روزے کو ایک معاشرتی عمل سمجھتے ہیں جس میں شامل ہونا ایک سماجی مجبوری ہوتی ہے۔ وہ روزے میں بھوک اور پیاس برداشت کرتے ہیں، مگر نہیں سمجھتے کہ اللہ ان کو بھوک پیاس کی تکلیف نہیں دینا چاہتا بلکہ ان کی اندرونی طاقت سے انھیں متعارف کرانا چاہتا ہے۔ چنانچہ وہ اس حقیقت سے بے خبر رہتے ہیں اور روزے کا مشکل وقت کسی نہ کسی طرح کاٹنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ٹائم پاس کرنے کی اس مشق کا ایک ذریعہ میڈیا پر موجود وہ دلچسپ اور سنسنی خیز پروگرام، ڈرامے اور فلمیں وغیرہ ہوتے ہیں جو روزے کی تکلیف اور مشقت کی طرف سے ذہن کو ہٹا دیتے ہیں۔ یوں وقت گزر جاتا ہے اور روزے کی عبادت جیسے تیسے گزر جاتی ہے۔ اپنی نگاہ میں ہم سرخرو ہو جاتے ہیں کہ ہم نے اللہ کے حکم کی پیروی کر لی۔ مگر ہمارا روزہ ہم میں کوئی تبدیلی نہیں پیدا کر پاتا۔ کیونکہ ہم نے روزے کا فائدہ اٹھا کر اپنی کوئی تربیت نہیں کی۔ اپنی اس قوت ارادی کو نہیں سمجھا جو بھوک اور پیاس میں بھی ہمیں ثابت قدم رکھتی ہے اور جو یہ صلاحیت رکھتی ہے کہ نافرمانی کے ہر کام سے ہمیں روک دے۔

اس کے برعکس اگر ہم ٹی وی پر اس طرح کی چیزیں دیکھتے رہیں جیسی آپ بیان کر رہے ہیں تو گویا ہم نے پیٹ کا روزہ تو رکھ لیا مگر نظر کا روزہ توڑ دیا۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ روزہ صرف بطن و فرج کا ہی نہیں آنکھ، کان، زبان، ہاتھ، پاؤں، دل و دماغ غرض کہ ہر چیز کا ہوتا ہے۔ روزہ ان

میں سے ہر چیز کو ہمیں خدا کی نافرمانی سے بچانے اور فرمانبرداری میں لگانے کا ہنر سکھاتا ہے۔ ہم نے یہ ہنر نہیں سیکھا بلکہ آنکھ کا روزہ توڑا یا زبان، ہاتھ، پاؤں یا دل و دماغ کا روزہ توڑ دیا تو ہم نے درحقیقت سوائے بھوک و پیاس کے کچھ حاصل نہیں کیا۔

اس لیے یہ ضروری ہے کہ روزہ رکھا جائے تو پورے جسم کا رکھا جائے۔ ہر ہر عضو کو نافرمانی سے بچایا جائے۔ اس کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت نیکی کے کاموں، عبادات اور خاص کر قرآن مجید کی تلاوت میں لگایا جائے جو ہمیں بتاتی ہے کہ خدا ہر چیز کو دیکھنے اور سننے والا ہے۔ اور بہت جلد وہ دن آ رہا ہے جب ہم اپنے ایک ایک عمل کو اپنے نامہ اعمال میں سامنے لکھا پائیں گے۔

ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہم اس دنیا میں بھی ایک گیم آف تھرون ہی کا حقیقی حصہ ہیں۔ یہ تھرون یا تخت شاہی جنت کی بادشاہی کا ہے۔ اس تخت کو حاصل کرنے کے لیے ہمیں اپنے نفس کے بے لگام گھوڑے کو اطاعت کی لگام پہنانی ہے۔ اسے تزکیے کا پاکیزہ لباس پہنانا ہے۔ اس کہانی کے ولن شیطان کے شر سے بچنا ہے جس نے خدا کی عزت کی قسم کھا کر یہ عزم کیا تھا کہ وہ ہمیں اس تخت سے محروم کر کے دم لے گا۔ اس لیے عزیز من! سمجھنے کی بات یہ ہے کہ ہم تو خود ایک گیم آف تھرون کا حصہ ہیں۔ بہت جلد زندگی کے اس ڈرامے کا اختتام ہو جائے گا۔ پھر ہر شخص کو پتہ چل جائے گا کہ اسے جنت کا تخت شاہی ملا ہے یا وہ جہنم کی کھائی میں گرا ہے۔ بہت جلد آخرت کا وہ یوم عید آ رہا ہے جب ہر پابندی اٹھا لی جائے گی۔ ہر خواہش کی مکمل تسکین کی جائے گی۔ ذرا سا صبر، ذرا سا حوصلہ، ذرا سی برداشت۔ یہ بازی ایسے ہی لوگ جیتیں گے۔

والسلام علیکم

ابو یحییٰ

رمضان کے بعد اعمال صالح کی کمی کا معاملہ

سوال: میرا مسئلہ یہ ہے کہ رمضان کے مہینے میں نمازوں میں میرا دل لگتا ہے، اللہ تعالیٰ سے قربت بھی محسوس ہوتی ہے، قرآن باقاعدگی سے پڑھا جاتا ہے، نیکی کی طرف توجہ رہتی ہے، تھوڑے عرصے بعد تک یہی سلسلہ رہتا ہے لیکن پھر کچھ مہینوں کے بعد نیکی کی توفیق بھی کم ہوجاتی ہے اور گناہوں کی طرف پھر سے مبذول ہوجاتا ہوں۔ بار بار توبہ کے بعد پھر سے گناہ کا راستہ اختیار کرنے کے بعد دل چاہتا ہے کہ دنیا کی رنگینیوں کو چھوڑ کر کسی جنگل کا رخ کرلیا جائے، تاکہ کوئی گناہ نہ ہو کیونکہ اپنے گناہوں کو دیکھ کر اپنے آپ سے نفرت ہونی شروع ہوجاتی ہے ایسی صورت میں کیا لائحہ عمل اختیار کیا جائے؟ طلحہ اشتیاق

جواب:

محترم بھائی

السلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہ

رمضان کے بعد نیک اعمال کی رغبت کا کم ہوجانا ایک فطری بات ہے کیونکہ رمضان کے مہینے میں ایک تو اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایتیں ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ نیکی کا ماحول بنا ہوا ہوتا ہے۔ ایسے میں عمل صالح کرنا نسبتاً آسان ہوتا ہے۔ اس لیے اس حوالے سے یہ کوئی پریشانی والی بات نہیں ہے۔ البتہ ہمیں اس بات کا خیال کرنا چاہیے کہ رمضان میں جو تقوے کی آبیاری روزے کے ذریعے کی گئی تھی اس کو ضائع ہونے سے بچایا جائے۔ رمضان کا ایک سبق مستقل مزاجی کے ساتھ اپنی قوت ارادی کو عملاً جاننا ہے۔ یہی چیز باقی سال گناہ سے بچنے میں مددگار رہتی ہے۔

ہمارا اصل امتحان یہ ہے کہ ہم دنیا میں سب کے ساتھ رہتے ہوئے ایمان اور تقویٰ کی زندگی

پر رہیں، اور یہ ناممکن نہیں ہے۔ اسی لیے قرآن ہمیں انبیاء اور ان کے ساتھیوں کے حالات بیان کرتا ہے کہ ان کی زندگیوں میں بھی مشکلات آئیں، مال، اولاد اور عورت وغیرہ کے امتحانات آتے رہے۔ لیکن انہوں نے حوصلے اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا اور اللہ تعالیٰ سے مستقل مدد طلب کی۔ وہ اپنے اہل وعیال کو چھوڑ کر اور دنیا کی زندگی سے لاتعلق ہو کر پہاڑوں پر نہیں چلے گئے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کو مطلوب نہیں ہے۔

توبہ کو بھی سمجھ لینا چاہیے کہ وہ ایک مضبوط ارادے کا نام ہے نہ کہ بس توبہ استغفار کی تسبیح کرنا۔ اگر حقیقی معنوں میں توبہ کی جائے تو پھر جانتے بوجھتے بار بار گناہ سرزد نہیں ہوتے۔ انسان کے نفس کی تربیت آہستہ آہستہ ہوتی ہے، ایک ایک برائی کو ٹارگٹ کر کے اسے ختم کرنے کی کوشش کریں، روزانہ کی بنیاد پر محاسبہ کریں، اگر غلطی ہو جائے چاہے جان کر یا انجانے میں اس کے لیے دوبارہ توبہ کریں اور عزم کریں کہ آئندہ ان شاء اللہ نہیں کروں گا۔ مایوس بالکل نہ ہوں کیونکہ مایوسی شیطان ڈالتا ہے تاکہ بندہ اپنے آپ کو بے بس سمجھ کر توبہ کی توفیق سے محروم ہو جائے، جبکہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کی امید دلاتے رہتے ہیں۔

والسلام

ثمر عمیر

\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-

سفیان بن اسید حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ سب سے بڑی خیانت یہ ہے کہ تم اپنے بھائی سے کوئی بات کہو اور وہ تمھاری بات کو سچ سمجھے، حالانکہ تم نے جو بات اس سے کہی وہ جھوٹی تھی۔ (ابوداؤد)

محمد مبشر نذیر

جذبہ حسد اور جدید امتحانی طریقہ

کمرہ امتحان میں طالب علموں میں نقل روکنے کے لیے ایک جدید طریق کار وضع کر لیا گیا ہے جس کے مطابق ہزاروں سوالوں کا ایک ڈیٹا بیس بنا لیا جاتا ہے اور کمپیوٹر اس ڈیٹا بیس میں سے ایک متعین تعداد میں سوال نکال کر امتحانی پرچہ بنا لیتا ہے۔ اس طرح ہر طالب علم کو دوسرے سے مختلف امتحانی پرچہ ملتا ہے۔ امتحان کے بعد ایسے طالب علم جنہیں زیادہ تعداد میں مشکل سوالات ملے ہوتے ہیں، اضافی نمبروں کے مستحق ہوتے ہیں۔ ان کے امتحانی سکور کو ایک طے شدہ فارمولے سے ایڈجسٹ کر کے اس میں اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ اس طریقے سے کسی سے کوئی زیادتی بھی نہیں ہوتی اور طالب علم نقل بھی نہیں کر پاتے۔

کمرہ امتحان میں کوئی طالب علم دوسرے سے حسد میں مبتلا نہیں ہوتا کہ اسے یہ سوال کیوں ملا، مجھے کیوں نہیں ملا کیونکہ اسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آخر میں مجھ سے کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔ اس کے برعکس دنیا میں جب ایک شخص دوسرے کو اللہ کی کوئی نعمت ملتے ہوئے دیکھتا ہے تو جذبہ حسد میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ دنیا میں لوگ ایک دوسرے سے حسد اس لیے کرتے ہیں کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہی دنیا کی زندگی ہی سب کچھ ہے۔ اگر اس میں کسی کو زیادہ نعمتیں مل گئی ہیں تو اسے مجھ پر فوقیت دی گئی ہے۔

یہ آخرت پر کامل ایمان نہ ہونے کا نتیجہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دنیا ایک بہت بڑا کمرہ امتحان ہے جس میں سب کو ایک دوسرے سے مختلف ٹیسٹ دیا گیا ہے۔ امتحان کے آخر میں ہر شخص کے رزلٹ کو اس کے امتحان کے آسان یا مشکل ہونے کی بنیاد پر ایڈجسٹ کیا جائے گا اور کسی سے کوئی زیادتی نہ کی جائے گی۔ اس لیے ایک دوسرے سے حسد میں مبتلا ہونا محض بے وقوفی ہے۔ دنیا کی نعمتیں امتحانی سوال ہیں نہ کہ امتحان کا رزلٹ۔ دنیا میں ہمیں جو بھی نعمت یا تکلیف ملتی ہے وہ محض آسان یا مشکل امتحانی سوالات ہیں جو ہمارے شکر اور صبر کا ٹیسٹ ہیں۔ نادان لوگ انہیں نتیجہ سمجھ کر حسد میں مبتلا ہوتے ہیں اور خدا کی ناشکری کے باعث اس امتحان میں فیل ہو جاتے ہیں۔

ریاض علی خٹک

اعتراف اور چیلنج

پنسلوانیا یونیورسٹی کے مارٹن سلیگمن نے دُنیاداری کے کامیاب اور ناکام افراد پر طویل تحقیق کی۔ اس کی تحقیق کا اگر نچوڑ نکالا جائے تو وہ سوچ کا ایک بنیادی فرق نکلتا ہے۔

ایک وہ سوچ ہے جو اپنی ناکامی کو اپنی ذات کی وہ کمی سمجھتے ہیں جو ان کے بس سے باہر ہو۔ دوسری وہ سوچ ہے جو اپنی ناکامی کو اپنی غلطی سمجھتے ہیں اور ان غلطیوں کو درست کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جس نے غلطی مان لی یا سمجھ لی وہ کامیاب ہوا۔

اپنی غلطی کو مان لینا اور ناکامی کو تسلیم کر لینا آسان نہیں ہے۔ مگر حقیقت یہی ہے کہ اس راستے پر چلنے والے ہی کامیابی حاصل کرتے ہیں۔ غلطی سے کامیابی کا راستہ چیلنج کہلاتا ہے۔ کس نے اپنے آپ کو چیلنج کیا؟ کس نے اپنی ذات کو کتنا بڑا چیلنج دیا؟ آپ کی کہانی آپ کا یہ چیلنج طے کرتا ہے۔

چیلنج کیا ہے؟ جنگل میں گرے ایک بیج کا چیلنج کوئی بڑا چیلنج نہیں۔ زمین آب و ہوا موسم سب موافق ہوتا ہے۔ ایک ننھا سا پودا جب نکلتا ہے تو اسے پتہ ہوتا ہے آس پاس کے تناور درخت اسے موسم و طوفانوں کی شدت سے بچائیں گے۔ لیکن جنگل میں اس کی اپنی کوئی پہچان بھی نہیں۔

لیکن کھلے میدان میں گرے بیج کا چیلنج منفرد ہوتا ہے۔ اسے معلوم ہوتا ہے میں اکیلا میدان میں ہوں گا۔ ہر موسم ہر خطرہ مجھے ہی جھیلنا ہے۔ یہ چیلنج لے کر اگر وہ سر اٹھا کر بلند ہونا شروع ہو جائے تو کچھ ہی عرصہ بعد اس کے آس پاس ہریالی نکلنا شروع ہو جاتی ہے۔ لیکن سارے میدان کی پہچان یہی بنتا ہے۔ ہاں یہ چیلنج ہے۔ یہی برانڈ کہلاتا ہے۔

شفقت علی

مثبت سوچ اور تعمیر شخصیت

ماہرینِ نفسیات کے مطابق ''ہماری سوچ ہمارے رویہ کو جنم دیتی ہے، رویہ عادات کو اور عادات ہماری شخصیت بناتی ہیں''۔ یعنی سوچ ہماری شخصیت کی تعمیر میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ جیسی سوچ ہوگی، ویسی شخصیت بنے گی۔ یہ ہم پر منحصر ہے کہ ہم کیسی سوچ رکھتے ہیں؛ مثبت یا منفی۔

مثبت سوچ کیا ہے؟ مثبت سوچ ذہن میں پیدا ہونے والے اچھے خیالات پر توجہ دینے کا نام ہے۔ اسلام میں اسے ''حُسنِ ظن'' کہا گیا ہے۔ یہ تین طرح کا ہوسکتا ہے: اللہ سے حُسنِ ظن، لوگوں سے حُسنِ ظن اور حالات سے حُسنِ ظن۔ ان کی وضاحت اور فوائد درج ذیل ہیں:

اللہ سے حُسنِ ظن یہ ہے کہ ہر معاملہ میں اُس کی مرضی کو اپنے لیے بہتر سمجھا جائے۔ ہر حال میں صرف اسی پر بھروسا کیا جائے اور ہمیشہ بھلائی کی امید وابستہ کی جائے۔ یہ حُسنِ ظن انسان کو اللہ کی معرفت اور محبت عطا کرتا ہے۔

لوگوں سے حُسنِ ظن یہ ہے کہ لوگوں کی نیت پہ شک نہ کیا جائے کیونکہ نیتوں سے صرف اللہ واقف ہے۔ ساتھ ہی انسانوں کی خامیوں کے بجائے اُن کی خوبیوں کو مدنظر رکھا جائے۔ ان کے متعلق منفی رائے قائم کرنے سے بچا جائے۔ حسن ظن کی یہ قسم انسان کے معاشرتی تعلقات کو پائیدار بناتی ہے اور معاملات میں بہتری لاتی ہے۔

حالات سے حسن ظن یہ ہے کہ انسان اپنے اوپر آنے والی آزمائش کو مصیبت نہ سمجھے، مشکل میں آسانی کا پہلو ڈھونڈے اور مسائل کو نظر انداز کر کے موجود مواقع دیکھنا سیکھے۔ یہ اندازِ فکر انسان میں خود اعتمادی پیدا کرتا ہے جو کامیابی کی کنجی ہے۔

ثمر عمیر

مشکلات اور تسلیم و رضا

صحابہ کرام نے جب جنگ احزاب کے موقع پر منکرین کے دل بادل لشکر کو دیکھا تو ان کی پاک زبان سے جو بات نکلی اس نے شیطان کے حواس اڑا دیے ہوں گے وہ تاریخی جملے قرآن اس طرح بیان کرتا ہے۔ هذا ما وعدنا الله ورسوله وصدق الله ورسوله۔

یعنی بجائے اس کے کہ ان کا حوصلہ ٹوٹتا انھوں نے کہا کہ اسی کا تو اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا کہ صبر آزما مرحلے آئیں گے اور وہ وعدہ بالکل سچا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے خراج تحسین پیش کیا و ما زادهم الا ايمانا و تسليما ۔ یعنی اس چیز سے ان میں کوئی کمزوری پیدا نہیں ہوئی بلکہ اس نے ان کے ایمان اور اطاعت ہی کو مزید بڑھایا۔

اس کے برعکس منافقین کا حال یہ تھا کہ ان پر موت کی سی غشی طاری ہو رہی تھی کیونکہ وہ تو پہلے ہی آزمائش اور سخت حالات سے فرار کے بہانے بنا رہے تھے لہٰذا انہوں نے وہی کیا۔

آج ان آیات کو ضمناً ہم اپنی زندگی سے متعلق کر کے دیکھیں کہ معاملہ چاہے رمضان کے طویل اور گرم روزوں کا ہو یا زندگی میں صبر کی آزمائش کا ان کی شدت سے کیا ہم اس ظرف کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ یہی تو اللہ تعالیٰ کی امتحانی اسکیم ہے کہ مشکلات اور سختیوں کے باوجود دل و جان سے اس کی عبادت اور اطاعت کو اپنایا جائے کیونکہ ہم سے جو وعدہ کیا گیا ہے وہ سچا ہے کہ زندگی کی ہر مشکل اور تکلیف اگر صبر و تقوی کے ساتھ سہی جائے، اسی کے بدلے میں ہمیں نہ ختم ہونے والی عظیم الشان جنت کی بادشاہت ملنے والی ہے۔

یہ سوچ ہمارے ایمان کی تازگی کا باعث اور عمل پر جمانے کا ذریعہ بن سکتی ہے بنسبت اس کے کہ مشکل امتحان ہمیں اس سوچ میں ڈال دے کہ اللہ تعالیٰ نے جانتے ہوئے بھی اس قدر

تکلیف ہمیں کیوں دے دی؟

اس الجھن کا جواب بھی ہمیں سورہ احزاب کی آیات میں ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کو جانچنا چاہتے ہیں۔ تا کہ سچے اور جھوٹے، ثابت قدم اور کمزور، نافرمان اور فرمانبردار چھٹ کر واضح ہو جائیں۔ چنانچہ پریشان ہونے کے بجائے ہمیں اپنے پرچہ امتحان کو اچھی طرح دے کر اپنے آپ کو مومن ثابت کرنا ہے تا کہ ہم جنت کے حقیقی مستحق ٹھہریں۔

اگرچہ انسان فطری لحاظ سے یہ چاہتا ہے کہ اسے زیادہ تکالیف اور مشقت نہ جھیلنا پڑے اس کے ساتھ عافیت کا معاملہ ہو۔ لیکن بہرحال دنیا ہے ہی امتحان کے لیے لہٰذا جب سامنا ہو ہی جائے تو اسے جنت پانے کا ایک اور موقع سمجھنا چاہیے یہی معرفت الٰہی ہے۔

البتہ اس بات کا خیال کرنا چاہیے کہ جو مشکلات ہیں کہیں وہ بے وقوفی کا نتیجہ نہ ہوں اور اس کے بعد اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کر دی جائے اس صورت میں یہ درست رویہ نہیں ہوگا۔

اگر ہم قرآن کے اس زاویے اور عمل صحابہ کو راہ عمل بنانے کی کوشش کریں تو دنیا اور آخرت کی بھلائیاں یقینی ہیں۔

\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن مردوں اور عورتوں پر وقتاً فوقتاً آزمائش آتی رہتی ہیں۔ کبھی خود اس پر مصیبت آتی ہے، کبھی اس کا لڑکا مر جاتا ہے، کبھی اس کا مال تباہ ہو جاتا ہے (اور وہ ان تمام مصیبتوں میں صبر اختیار کر لیتا ہے) یہاں تک کہ جب وہ اللہ سے ملتا ہے تو اس حال میں ملتا ہے کہ اس کے نامۂ اعمال میں کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ (ترمذی)

عبیدہ قریشی

اللہ کا انتخاب

کل رات رمضان المبارک کو میں حسب عادت نمازعشاء اور تراویح کے لیے مسجد پہنچی۔ آخری عشرہ مسجد میں گزارنے کی بڑی وجہ اُس سلسلے کو قائم رکھنا ہے جو والدہ مرحومہ نے شروع کیا۔ وہ رمضان اور خاص کر آخری عشرہ بہت عبادت کرتی تھیں اور مجھے ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتی تھیں۔اسی سلسلے کو قائم رکھتے ہوئے میں نے ہمیشہ کوشش کی کہ رمضان کا آخری عشرہ مسجد میں جا کر عبادت میں گزاروں۔اُسی سلسلے کو نبھاتے ہوئے میں آخری عشرہ آتے ہی مسجد جا پہنچی۔

مسجد میں نماز تراویح کے دوران میں نے اپنے ساتھ ایک عورت کو نماز پڑھتے دیکھا جو اپنے حلیے سے مجھے کسی غریب گھر کی لگی۔ پرانے کپڑے، رنگ دھوپ سے جھلسا ہوا، ہاتھ پاؤں بہت کھردرے ہو رہے تھے جیسے وہ کوئی سخت کام کرتی ہو۔ میرے دل میں خیال آیا کہ یہ ہمارے مذہب کا ایجاز ہے کہ مسجد میں سب برابر کھڑے ہیں، امیر غریب، تعلیم یافتہ اوران پڑھ کی کوئی تفریق نہیں۔ اتنی دیر میں نماز ختم ہوگئی اور میں نے سلام پھیرا۔ جونہی میں نے سلام پھیرا وہ عورت مجھ سے مخاطب ہوئی اور بولی ''کیا رمضان میں عبادت کرنے سے نبی کی زیارت ہوتی ہے؟'' میں نے اس کی طرف دیکھا اوراس احساس کے ساتھ کہ میں ایک تعلیم یافتہ خاتون ہوں جس کا فرض ہے کہ معاشرے میں رائج غلط تصورات کی اصلاح کرے۔ میں نے اسے بتایا کہ یہ لازم نہیں کہ آپ رمضان میں عبادت کریں اورآپ کو نبی کی زیارت ہو۔

وہ حیران ہو کر دھیمے لہجے میں بولی ''مجھے کل رات نبی کی زیارت ہوئی ہے''، اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ بولی کل مجھے واپس گاؤں جانا پڑا میں بہت پریشان تھی ساری رات یہی سوچتی رہی کہ میں تراویح نہیں پڑھ سکی۔ میں ساری رات عبادت کرتی رہی لیکن دکھی اور پریشان

رہی کہ میں تراویح نہیں پڑھ سکی۔ پھر میں سوئی تو میں نے خواب میں اپنے نبی کی زیارت کی۔ اس کی یہ بات سن کر میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس سے کہا کہ اللہ کا آپ پر بڑا فضل ہے۔ وہ دکھی ہو کر بولی پچھلے بارہ سال سے میں اپنے دو بچوں کے ساتھ در بدر ہوں۔ شوہر نے دوسری شادی کر لی ہے۔ یہاں ایک گھر میں ملازمہ ہوں۔ اتنی دیر میں تراویح دوبارہ شروع ہوگئی اور ہم دونوں کھڑی ہوگئیں۔ قیام کے دوران میں اُس عورت کو بہت بلند درجے پر فائز دیکھا۔ وہ عورت جو میرے ساتھ کھڑی تھی جس کے کپڑے پرانے تھے، رنگ جھلسا ہوا تھا، ہاتھ پاؤں کھردرے ہو چکے تھے وہ اللہ اور اس کے رسول کا انتخاب تھی۔

اپنی بے وقعتی کا احساس مجھ پر اتنا حاوی ہوا کہ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ تراویح ختم ہوگئی لیکن آنسو تھے کہ تھم نہیں رہے تھے۔ دنیا میں عزت اور فضیلت کا معیار خدا کے معیار سے بہت مختلف تھا۔ وہاں میری کوئی حیثیت نہ تھی۔ میں اسکا انتخاب نہیں تھی۔ آنسو تھے کہ رُک نہیں رہے تھے۔

حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ بلاشبہ خوش نصیب ہے وہ شخص جو فتنوں سے محفوظ رہا (یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمائی)، لیکن جو امتحان اور آزمائش میں ڈالا گیا، پھر بھی حق پر جما رہا تو اس کے کیا کہنے۔ ایسے آدمی کے لیے شاباشی ہے۔ (ابوداؤد)

انتخاب اور ترجمہ: محمد سلیم

بچوں کی تربیت

آنسہ ''نجاۃ النہاری'' یمنی عرب ہیں، مذہب کے لحاظ سے یہودیہ ہیں، پیشے کے لحاظ سے انجینئر ہیں، سکونت کے لیے اسرائیل ہجرت کر کے جا چکی ہیں، کاتبہ ہیں، بلاگر ہیں، عرب اخبارات ان کے مقالات کو شوق سے شائع کرتے ہیں۔ اسرائیل میں رہ کر بھی ان کا دل یمن میں اٹکا رہتا ہے اور وہ اپنے سابقہ وطن کو کبھی بھی نہیں بھول پاتیں۔

لکھتی ہیں: مجھے صدقہ کرنا ایک کبڑے نے سکھایا تھا، میرے صدقہ کرنے سے اسے ہنسی بھی بڑی آتی تھی، جی بھر کے قہقہے لگاتا تھا مگر ہم جب یمن سے نکلے تو وہ ہمارے لیے اور ہماری جدائی پر رو بھی رہا تھا۔

کہتی ہیں، میری عمر سات سال سے بھی کم ہو گی، میں اپنے محلے کے اس کبڑے، جسے لوگ قاضی محمد کبڑا کہہ کر بلاتے تھے کے پاس سے گزر رہی تھی کہ دیکھا اس سے ایک بوڑھی عورت کچھ صدقہ خیرات مانگ رہی ہے۔ قاضی محمد کبڑے کی نظر مجھ پر پڑ گئی۔ اس وقت میں نے پانچ کا نوٹ پکڑ رکھا تھا بلکہ اس نوٹ کو اپنے منہ میں ڈالے چبا رہی تھی۔ قاضی نے مجھے بے تکلفی سے کہا: ادھر لا یہ پانچ ریال، یہ اس بوڑھی کو دے دیتے ہیں۔

قاضی صاحب بچوں کے ساتھ شفقت اور ہنسی مذاق کرنے والے انسان تھے، اور میری طرح اکثر بچے اس سے بے تکلفی محسوس کرتے تھے۔ میں نے انہیں مسکراتے ہوئے کہا: مگر میرے پاس تو بس یہی پانچ ہیں اور تو میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ قاضی نے کہا: اگر تو نے یہ پانچ روپے صدقہ کر دیے تو اللہ تجھے دس یا بیس بنا کر واپس کر دے گا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے مجھے پیسے صدقہ کر دینے کے لیے قائل کرنا شروع کر دیا۔ سچ پوچھیے تو میں بھی اُس کی باتوں سے

اتنی قائل ہوگئی تھی کہ پیسے نکال کر بڑھیا کو دے دیے۔ قاضی کی نظریں میرے چہرے پر تھیں اور وہ پانچ کا گھاٹا ہو جانے پر میرے محسوسات پڑھ رہا تھا۔ سچ پوچھیے تو میں تقریباً رونے والی ہوئی کھڑی تھی۔ میرے لیے پانچ ریال اچھے خاصے پیسے تھے کیونکہ ابا مجھے ہفتے میں دو یا تین مرتبہ اکٹھے پانچ ریال دیا کرتے تھے۔

قاضی نے میری کیفیت کو محسوس کرتے ہوئے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور بیس ریال کا نوٹ نکال کر مجھے دیتے ہوئے کہا: میں نہیں کہتا تھا کہ فقیر کو صدقہ دینے پر اللہ تجھے تیرے پیسے دوگنے بلکہ دوگنے سے بھی زیادہ کر کے واپس کر دے گا۔

مجھے پیسے لینے میں کچھ تردد تو ہوا، بیس میرے لیے تھوڑے پیسے نہیں تھے۔ بیس اکٹھے تو مجھے بس اسی دن ہی ملنے نصیب ہوتے تھے جس دن مسلمانوں کی عید ہوتی تھی، لیکن میں نے پھر بھی قاضی کے ہاتھ سے بیس ریال تقریباً جھپٹتے ہوئے پکڑے اور اپنے گھر کو دوڑ لگا دی اور قاضی پیچھے کھڑا، مجھے بھاگتا دیکھتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔ میری خوشی دیدنی تھی اور جذبات چھپانے ناممکن۔ میں بس ناچتی ہی پھر رہی تھی۔

دو ہفتے کے بعد ہمارے محلے میں ایک فقیر آیا۔ مجھے قاضی کی باتیں یاد آ گئیں اور میں نے بلا توقف اور بھاگتے ہوئے جا کر اس فقیر کو پانچ ریال دیدیئے۔ اس کے بعد مجھے اپنی جان سولی پر لٹکی ہوئی محسوس ہونے لگی، میرا انتظار شروع ہو گیا کہ کب اللہ میرے پانچ کے بدلے مجھے بیس واپس لوٹاتا ہے۔ مغرب تک تو میری یہ کیفیت تھی کہ میرا دل چاہتا تھا بس کسی طرح میرے وہی پانچ ہی بغیر کسی اضافے کے واپس مل جائیں، لیکن سب عبث۔ سونے سے پہلے مجھے پکا یقین ہو چکا تھا کہ میرے ساتھ ہاتھ ہو گیا ہے اور میں لُٹ چکی ہوں۔

دوسرے دن دوپہر کو سکول سے واپس آتے ہوئے مجھے زمین پر کچھ پڑا ہوا نظر آیا، قیاس یہی ہوتا تھا کہ پیسے ہیں۔ نیچے جھک کر اٹھائے تو بیس بیس ریال کے دو نوٹ تھے۔ میری خوشی دیدنی

تھی اور مجھے پکا یقین ہو گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ صدقے کے پیسے ضرور واپس کرتا ہے۔ مجھے اپنے پیسوں کے بدلے میں بیس ریال کافی لگے، میں نے بیس اپنی جیب میں ڈالے اور دوسرا بیس کا نوٹ وہیں پھینکتے ہوئے گھر کی طرف دوڑ لگا دی۔

اسی دن عصر کے وقت دکان سے لوٹ رہی تھی کہ مجھے قاضی محمد مسجد سے نکلتا ہوا دکھائی دیا۔ میں نے اسے جا کر روکا اور اپنے ساتھ پیش آنے والا سارا قصہ تفصیل سے کہہ سنایا، قاضی میری باتیں سنتا ہوا مسکراتا رہا۔ اس نے مجھ سے پوچھا: اچھا، بیس ریال کا دوسرا نوٹ واپس کیوں پھینک دیا تھا؟ میں نے کہا: مجھے پتہ تھا کہ محلے کی ایک اور لڑکی نے بھی فقیر کو پانچ ریال صدقہ کیے ہیں۔ ہو نہ ہو، یہ بیس کا دوسرا نوٹ اُسی کا ہوگا، اس لیے میں نے اسے وہیں چھوڑ دیا تھا تا کہ وہ آ کر اپنے پیسے اُٹھا لے۔

میری یہ بات سُن کر قاضی ہنس ہنس کر مزید دوہرا ہو گیا۔ بلکہ اُس نے تو پاس سے گزرتے ہوئے چند لوگوں کو میری بے وقوفی کا یہ ماجرا کہہ بھی سنایا، قاضی کے ساتھ دوسرے لوگ بھی ہنسنا شروع ہو گئے تھے۔ اس دن کے بعد بھی جب جب قاضی مجھے دیکھتا ہنسنا شروع کر دیتا تھا۔ مگر ایک بات تھی؛ اب اس نے مجھے اکثر پانچ یا دس ریال دینا شروع کر دیے تھے۔ کہتا: اللہ تم سے محبت کرتا ہے اور مجھے پیسے بھیجتا ہے تا کہ میں تجھے دے دیا کروں۔ اس کے بعد میری یہ پکی عادت بن گئی کہ اگر کوئی فقیر مجھ سے سوال کرے تو میں اسے جو کچھ بھی پاس ہو دے دیا کروں۔

جس دن ہم نے اسرائیل جانے کے لیے صنعاء کو چھوڑا، اس دن قاضی محمد، اس کی بیوی اور اس کی بیٹیاں ہماری وجہ سے رو رہی تھیں۔ میں نے اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ اُس قاضی کی آنکھوں میں آنسو دیکھے جس کے ہونٹوں پر کبھی مسکراہٹ غائب بھی نہیں ہوا کرتی تھی۔ اب جبکہ میں بڑی ہو گئی ہوں تو مجھے رہ رہ کر ایک ایک کر کے ساری باتیں یاد آتی ہیں۔ مجھے اپنا وطن چھوڑنے کا دُکھ ہوتا ہے، ایسا وطن جس کے لوگ اللہ سے پیار کرنے والے ہیں اور اللہ ان سے پیار کرتا ہے۔

جاوید چوہدری

بل گیٹس بن جائیں

یہ مثال ہے حقیقت نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے 31 دسمبر 1999 کو دنیا کے تین بااثر ترین لوگوں کے پاس پیغام بھجوایا، میں اللہ تعالیٰ ہوں، میں نے کائنات بنائی اور میں کل یہ پوری کائنات ختم کر دوں گا، کرہ ارض پر موجود تمام انسانوں کے پاس اب صرف ایک دن بچا ہے، آپ ان کو بتا دیں یہ ایک دن میں جو بھی کر سکتے ہیں یہ کر لیں، وہ تینوں بااثر لوگ پیغام سن کر پریشان ہو گئے اور انھوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا، یا باری تعالیٰ دنیا میں اس وقت چھ ارب لوگ ہیں، آپ نے اس کام کے لیے صرف ہمیں کیوں منتخب کیا، اللہ تعالیٰ نے جواب بھجوایا، تم دنیا کے بااثر ترین لوگ ہو، دنیا تمہاری بات کو سیریس لے گی چنانچہ تم ٹی وی پر جاؤ اور دنیا کو باری باری میرا پیغام پہنچاؤ، یہ تینوں لوگ فوراً دوڑ کر ٹیلی ویژن پہنچ گئے۔

ہم کہانی کو آگے بڑھانے سے پہلے آپ کو یہ بتاتے چلیں وہ تین لوگ کون تھے، پہلا شخص امریکا کا صدر بل کلنٹن تھا، دوسرا شخص گلف وار میں امریکن ہیرو کولن پاؤل تھا، امریکی فوج دنیا کی طاقتور ترین فوج ہے اور کولن پاؤل اس فوج کا چیئرمین جوائنٹ چیفس آف اسٹاف رہا، یہ دنیا کا سیریس ترین جنرل بھی کہلاتا تھا اور تیسرا شخص دنیا کا امیر ترین بزنس مین بل گیٹس تھا، یہ تینوں طاقتور بھی تھے، بااثر بھی تھے اور سیریس بھی تھے، بل کلنٹن سب سے پہلے ٹیلی ویژن پر آیا اور اس نے پوری دنیا کو مخاطب کر کے کہا میں آپ کے لیے ایک اچھی اور دوسری بری خبر لایا ہوں، لوگ حیرت سے دیکھنے لگے۔

بل کلنٹن بولے، اچھی خبر یہ ہے امریکی صدر دنیا کا واحد سربراہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے براہ راست پیغام بھجوایا اور یہ امریکی قوم کی حیثیت سے ہم سب کا کریڈٹ ہے، اللہ تعالیٰ نے بھی

ہمیں دنیا کی سپر پاور مان لیا،، وہ رکے اور بولے، اور آپ اب بری خبر بھی ملاحظہ کیجیے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، کل پوری کائنات تباہ ہو جائے گی، دنیا میں اکیسویں صدی کا سورج طلوع نہیں ہو گا، بل کلنٹن نے یہ کہا اور ٹیلی ویژن اسٹوڈیو سے باہر نکل گئے، بل کلنٹن کے بعد کولن پاؤل عوام کے سامنے آئے اور فوجی انداز میں کہا لیڈیز اینڈ جنٹل مین، آپ کے لیے ایک بری خبر ہے اور دوسری اچھی، میں پہلے آپ کو بری خبر سناؤں گا۔

اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے ہم نے 1991 میں گلف میں کیا کیا تھا؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں سزا دینے کا فیصلہ کر لیا ہے، وہ کل پوری دنیا کو تباہ کر دے گا، یہ بری خبر ہے لیکن اچھی خبر یہ ہے، ہم کل اللہ تعالیٰ کے ساتھ مل کر عراق کو تباہ کر دیں گے، میں کہانی کو مزید آگے بڑھانے سے پہلے آپ کو بتا تا چلوں، امریکی صدر بش سینئر نے 1990 میں صدام حسین کو کویت پر قبضے کے لیے اکسایا، عراقی فوجیں جب کویت میں داخل ہو گئیں تو امریکا نے سعودی عرب کے ساتھ مل کر عراق پر حملہ کر دیا، یہ امریکی سازش تھی اور اس سازش سے سعودی عرب، عراق اور کویت تینوں کی معیشت تباہ ہو گئی۔

بل کلنٹن کے دور میں امریکا عراق کشمکش عروج پر پہنچ گئی، امریکی شہریوں کو خوف تھا عراق کیمیائی ہتھیاروں سے امریکا پر حملہ کر دے گا چنانچہ کولن پاؤل نے دنیا کی تباہی کو عراق کی تباہی بنا دیا، اس نے امریکی نفسیات کے مطابق یہ کریڈٹ بھی امریکا کے کھاتے میں ڈال دیا اور یہ ثابت کرنے کی کوشش بھی کی کہ عراق کو (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ تباہ نہیں کر رہا امریکا کر رہا ہے اور آخر میں بل گیٹس کی باری تھی، وہ آیا، مسکرایا اور کیمروں کی طرف دیکھ کر بولا، میرے پاس آپ کے لیے ایک اچھی خبر ہے اور دوسری بہت اچھی، وہ رکا اور بولا اچھی خبر یہ ہے کہ میں دنیا کے ان تین لوگوں میں شامل ہوں جنھیں اللہ تعالیٰ نے آپ تک پیغام پہنچانے کے لیے منتخب کیا، میں نے براہ راست اللہ تعالیٰ کے ساتھ ڈائیلاگ کیا۔

یہ اچھی خبر ہے اور بہت اچھی خبر یہ ہے، مائیکروسافٹ نے وائے ٹو کے کا حل تلاش کر لیا ہے اور ہم یہ حل کل لانچ کر دیں گے، پورے امریکا نے کھڑے ہو کر تالیاں بجانا شروع کر دیں، میں کہانی کو مزید آگے بڑھانے سے پہلے آپ کو وائے ٹو کے (Y2K)، کے بارے میں بھی بتا تا چلوں، 31 دسمبر 1999 تک ہمارے کمپیوٹرز میں تاریخ کی جگہ تین زیرو نہیں آ سکتے تھے، یہ ایک مشکل ایشو تھا اور اس ایشو کی وجہ سے پوری دنیا پریشان تھی کہ ہم جب سن 2000 میں جائیں گے تو ہمارے تمام کمپیوٹر جواب دے جائیں گے، بینک، دکاندار، شاپنگ مالز، موبائل فون سروس، ائیر لائن، ٹرین اور بس سروس غرض دنیا کی ساری انڈسٹریز شدید ٹینشن میں تھیں۔

یہ ساری انڈسٹریز رسیدیں جاری کرتی ہیں اور ہر رسید پر تاریخ درج ہوتی ہے جب کہ کمپیوٹر سسٹم یکم جنوری 2000 کی تاریخ ہی درج نہیں کر سکتے تھے چنانچہ بحران صاف نظر آ رہا تھا، دنیا نے اس ایشو کا نام وائے ٹو کے، رکھ دیا تھا، وائے سے مراد ائیر (Year) تھا، ٹو سے مراد دو کی سیریز کی صدی تھا اور کے سے ہزار مراد تھا، یہ 1999 کی سب سے بڑی خبر تھی اور دنیا کا سارا میڈیا سارا دن وائے ٹو کے، کا ورد کرتا رہتا تھا، دنیا اس مسئلے کے حل کے لیے بل گیٹس کی طرف بھی دیکھ رہی تھی، یہ روز اس سے پوچھتے کیا مائیکروسافٹ وائے ٹو کے، کا کوئی نہ کوئی حل نکال لے گا اور یہ کندھے اچکا کر آگے نکل جاتے تھے چنانچہ بل گیٹس نے وائے ٹو کے حل کرنے کا اعلان کر کے دنیا کو خوش کر دیا۔

ہم اب کہانی کے منطقی نتیجے کی طرف بڑھتے ہیں، بل کلنٹن سیاستدان تھے، سیاستدانوں کی زندگی اچھی اور بری خبروں کے درمیان بہتی رہتی ہے، یہ لوگ قوم کو ہمیشہ بری خبر سے پہلے اچھی خبر سناتے ہیں اور ان کی زیادہ تر اچھی خبریں جعلی ہوتی ہیں۔ چنانچہ بل کلنٹن نے سیاستدانوں کی فطرت کے عین مطابق پہلے ایک اچھی خبر تخلیق کی، اس نے لوگوں کے اندر حب الوطنی کا جذبہ ابھارا اور پھر انھیں بری خبر سنا دی۔ کولن پاؤل فوجی تھا، یہ 35 سال امریکی فوج میں رہا اور

چیئرمین جوائنٹ چیفس آف اسٹاف کی حیثیت سے ریٹائر ہوا، فوجیوں کی نظر میں دشمن کی تباہی بہت اچھی خبر ہوتی ہے۔

یہ ہمیشہ چاہتے ہیں کہ یہ دشمن کے مرنے کے بعد مریں خواہ یہ دشمن کی موت کے چند سیکنڈ بعد ہی کیوں نہ مریں۔ چنانچہ کولن پاؤل کی نظر میں دنیا کی تباہی میں دو نقطے مضمر تھے، اللہ تعالیٰ گلف وار کی وجہ سے امریکا سے ناراض تھا اور یہ پورے امریکی معاشرے کو سزا دینا چاہتا تھا اور یہ اس کی نظر میں بری خبر تھی اور اچھی خبر یہ تھی امریکا کل عراق کو مکمل طور پر تباہ کر دے گا یعنی یہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کو بھی اپنے فوجی کریڈٹ میں درج کرنا چاہتا تھا جب کہ بل گیٹس سیلف میڈ بزنس مین ہیں اور سیلف میڈ بزنس مینوں کی زندگی میں بری سے بری خبر بھی بری خبر نہیں ہوتی، یہ برے سے برے حالات میں سے بھی اپر چیونٹی، نکال لیتے ہیں چنانچہ اس نے قوم کو بتایا کہ میرے پاس دو اچھی خبریں ہیں، اچھی خبر اور بہت اچھی خبر۔ اچھی خبر اللہ تعالیٰ سے رابطہ تھا اور بہت اچھی خبر یہ تھی مائیکروسافٹ کل وائے ٹو کے، کا حل دے دے گا۔ ہم اب اگر اس بہت اچھی خبر کی گہرائی میں جا کر دیکھیں تو ہمیں دو چیزیں ملیں گی، اول بل گیٹس نے سوچا وائے ٹو کے، اس وقت دنیا کا سب سے بڑا مسئلہ ہے، دنیا نے کل ختم ہو جانا ہے، میں لوگوں کو، ہم کل اس مسئلے کا حل لانچ کر دیں گے، جیسی خوش خبری دے کر خوشی دے سکتا ہوں، اس خوش خبری سے کم از کم لوگوں کی زندگی کا آخری دن تو اچھا گزر سکے گا۔ چنانچہ اس نے یہ خوش خبری دے کر پوری دنیا کو خوش کر دیا اور دوم بل گیٹس نے سوچا کل دنیا ختم ہو جائے گی، ہمارے پاس صرف ایک دن ہے لہٰذا میں پوری مائیکروسافٹ کو دوسرے منصوبوں سے ہٹا کر صرف اور صرف وائے ٹو کے، پر لگا دوں گا اور ہم انشاءاللہ رات تک یہ مسئلہ حل کر دیں گے۔

ہم رات بارہ بجے کے بعد نیا سافٹ ویئر لانچ کر دیں گے اور یوں لوگ قیامت کا دن طلوع ہونے سے پہلے وائے ٹو کے، سے آگے نکل جائیں گے، آپ اپروچ کا فرق ملاحظہ کیجیے، سیاستدان نے دنیا کو موت کی سیدھی سادی نوید سنا دی، کولن پاؤل کی نظر میں بری خبر کی اہمیت

پہلے تھی اور وہ دشمن کی ہلاکت کو اچھی خبر سمجھ رہا تھا اس نے پہلے بری خبر سنائی اور پھر دشمن کی موت کو اچھی خبر بنا کر پیش کیا جب کہ سیلف میڈ بزنس مین نے دنیا کی بری ترین خبر کو بھی اچھی اور بہت اچھی خبر میں تقسیم کیا اور اس نے دنیا کے آخری دنوں کو بھی دنیا کے سب سے بڑے مسئلے کے حل پر صرف کرنے کا فیصلہ کر لیا، اس نے سوچا میں بہرحال لوگوں کو آخری دن بھی خوشی دوں گا، میں ان کے مسئلے حل کروں گا۔

زندگی صرف اور صرف اپروچ کا نام ہے، ہم اگر مسئلوں کو مثبت سمجھ لیں تو دنیا کے بڑے سے بڑے مسائل بھی وسائل میں تبدیل ہو جاتے ہیں لیکن ہم نے اگر منفی ذہنیت کی عینک پہن رکھی ہو تو ہمیں اگر دنیا کے سارے وسائل بھی مل جائیں تو بھی یہ ہمیں مسائل دکھائی دیں گے، بارش کچھ لوگوں کے لیے گیت ہوتی ہے اور کچھ کے لیے کیچڑ، کیوں؟ آپ نے کبھی سوچا؟ یہ صرف اور صرف اپروچ کی بات ہے، منفی آنکھ کو بارش کیچڑ دکھائی دیتی ہے اور مثبت آنکھ اسے نغمہ، اسے گیت بنا دیتی ہے۔ یہ دنیا کیا ہے؟ یہ فیصلہ صرف اور صرف ہماری آنکھیں کرتی ہیں، ہمارے ماتھے سے نیچے اگر بل گیٹس کی آنکھیں ہیں تو پھر یہ آنکھیں قیامت کے دن کو بھی اچھی خبر اور بہت اچھی خبر بنا دیں گی۔

ہم دنیا کے آخری دن کو بھی دنیا کے سب سے بڑے مسئلے کے حل پر خرچ کریں گے لیکن اگر ہماری ناک کے دائیں بائیں منفی آنکھیں لگی ہیں تو پھر ہماری زندگی میں صرف خبریں ہوں گی، بری خبر اور بہت بری خبر، ہم پھر قیامت کے دن کو بھی دشمن پہلے مرے گا، کا جشن سمجھ لیں گے، ہم کولن پاؤل بن جائیں گے۔ میں ہمیشہ اپنے دوستوں سے کہتا ہوں آپ اپنی عینک بدل لیں پوری دنیا تبدیل ہو جائے گی، یہ جہنم سے جنت بن جائے گی لیکن کوئی میری بات نہیں مانتا، یہ لوگ بری خبروں میں جنم لیتے ہیں اور یہ مرنے تک بری خبر بنے رہتے ہیں، یہ قبر میں پہنچ جاتے ہیں لیکن یہ اپنی عینک نہیں بدلتے، یہ بل گیٹس نہیں بنتے۔

[بشکریہ روزنامہ ایکسپریس]

ابو یحییٰ

مضامین قرآن (62)

حقوق العباد: والدین سے حسن سلوک

اخلاقی مطالبات کو بیان کرتے ہوئے قرآن مجید حقوق العباد کے ضمن میں اس بات کو بنیادی اہمیت دیتا ہے کہ انسان جن قریبی تعلقات میں اپنی زندگی گزارتا ہے، وہاں پر وہ ایک اعلیٰ انسان بن کر سامنے آئے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ انسان ایک سماجی وجود ہے۔ وہ تنہا زندگی نہیں گزارتا۔ لیکن وہ اپنی زندگی سماج میں موجود ہزاروں لاکھوں لوگوں میں بھی نہیں گزارتا۔ بلکہ یہ درحقیقت چند قریبی رشتے اور تعلقات ہوتے ہیں جن میں انسان کی زندگی کا بیشتر وقت گزرتا ہے۔ اس دائرے میں لوگ اگر اچھا معاملہ کرنے والے ہوں اور دوسروں کا احساس کرنے والے ہوں تو سب لوگوں کی زندگی سہل و آسان ہوجاتی ہے۔ معاشرے میں خیر پھیلتا ہے۔ لوگوں میں باہمی محبت و ہمدردی کی فضا پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جو انسانوں کو سب سے بڑھ کر جانتے ہیں اور انھوں نے ہی انسانوں کو ایک سماجی زندگی کا شعور بخشا ہے، اسی بنا پر یہ حکم دیا ہے کہ انسان جن قریبی تعلقات اور رشتوں میں زندگی گزارتا ہے وہاں وہ لوگوں سے حسن سلوک کرے۔

اس پہلو سے جب قرآن مجید کی تعلیمات کا جائزہ لیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ قریبی تعلقات کے تین دائرے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو حکم دیا ہے کہ وہ ان میں دوسروں سے اچھا برتاؤ کریں کیونکہ انسان انھی تین دائروں میں اپنی زندگی گزارتا ہے۔ ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک

رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک

پڑوسیوں اور ماتحتوں کے ساتھ حسن سلوک

والدین کے ساتھ حسن سلوک

والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم قرآن مجید میں نہ صرف بار بار دہرایا گیا ہے بلکہ کئی مقامات پر اسے اللہ کی بندگی کے بعد رکھ کر اللہ تعالیٰ نے یہ واضح کر دیا ہے کہ انسانوں کے حقوق میں سب سے بڑا حق والدین کا ہوتا ہے۔ والدین کی اس اہمیت کا سبب بالکل واضح ہے۔ وہ یہ کہ اس دنیا میں انسان جن لوگوں میں جیتا بستا ہے ان میں انسان پر سب سے زیادہ احسان اس کے والدین کرتے ہیں۔ قرآن مجید نے والدین کے ان احسانات اور خاص کر ماں کے ان احسانوں کو بہت نمایاں کیا ہے جن میں مائیں تکلیف اور اذیت جھیل کر بچوں کا حمل اٹھاتی، اسی اذیت میں انھیں جنم دیتی اور پھر ان کی پرورش اور رضاعت کی بھاری اور تکلیف دہ ذمہ داری اٹھاتی ہیں۔ دوسری طرف باپ ایک چھایاں بن کر بچوں اور ان کی ماں کو زمانے کے ہر سرد و گرم سے بچاتا اور مشکلات کی ہر دھوپ سے تحفظ فراہم کرتا ہے۔

تاہم یہ والدین جو انسان کی پیدائش بلکہ اس سے پہلے ہی سے انسان کو زندگی اور اسباب زندگی فراہم کرتے ہیں، وقت کے ساتھ ساتھ کمزور ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ایک وقت آتا ہے کہ وہ بوڑھے ہو جاتے ہیں۔ باپ کمانا بند کر دیتا ہے۔ ماں خدمت اور کام کاج کے قابل نہیں رہتی۔ ایسے میں ماں اور باپ دونوں بوجھ بن جاتے ہیں۔ ان کے احسانات ماضی کا ایک واقعہ رہ جاتے ہیں۔ انسانوں کے لیے بیوی، شوہر اور بچے زیادہ اہم ہو جاتے ہیں۔ ایسے میں انسانوں کو ماضی ویسے بھی یاد نہیں رہتا۔ چنانچہ قرآن مجید جوانوں کو یہی ماضی یاد دلاتا ہے جو انھیں بھول چکا

ہوتا ہے۔

قرآن مجید والدین کی خدمات یاد دلا کر نوجوانوں کو ان کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کرتا ہے۔ اس حسن سلوک کی متعدد جہتیں ہیں جن پر قرآن مجید نے اپنے طریقے کے مطابق براہ راست بھی تفصیلی گفتگو کی ہے اور بالواسطہ طور پر بھی ان کو زیر بحث لایا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ والدین جب بوڑھے ہو کر چڑچڑے ہو جاتے ہیں اور ان کی باتیں تمھیں بری لگنے لگتی ہیں، تب بھی تم ان کو اف تک نہ کہنا۔ وہ سمجھاتا ہے کہ ان کو جھڑکنے اور تلخ جواب دینے کے بجائے احترام سے ان سے بات کی جائے۔ یہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کا سب سے بنیادی اور اہم تقاضا ہے۔ اس کے ساتھ قرآن یہ بھی واضح کرتا ہے کہ ماں باپ تمھارے انفاق کے سب سے پہلے اور بنیادی حقدار ہیں۔

مال اور زبان سے والدین کی خدمت کے علاوہ قرآن عمومی طور پر بھی ان کے سامنے فرمانبرداری اور شفقت و محبت کا رویہ اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہے سوائے اس کے کہ والدین شرک کا حکم دیں۔ اسی طرح والدین عدل و انصاف سے ہٹانے کی کوشش کریں تب بھی ان کی اطاعت لازم نہیں بلکہ والدین کے بجائے انصاف کا ساتھ دینا چاہیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حق والدین سے زیادہ اہم ہے۔ تاہم اس کے باوجود والدین سے حسن سلوک اور معروف طریقے سے معاملہ کرنے کا ہی حکم ہے۔

قرآن مجید نے حضرات انبیا کے اسوہ سے یہ واضح کیا ہے کہ والدین کی خدمت، ان کے ساتھ بر و رحم کا معاملہ کرنا، ان کے لیے دعا کرنا، ان کی طرف سے اللہ کی شکر گزاری کرنا یہ سب حضرات انبیا کی سیرت و شخصیت کا حصہ رہا ہے اور اسی کی تلقین ہمارے لیے ہے کہ ہم اپنے والدین کے ساتھ شفقت و خدمت کا معاملہ کریں اور ان کے لیے اپنے رب سے دعا کرتے

رہیں۔

قرآنی بیانات

''اِن سے کہو کہ آؤ، میں تمھیں سناؤں کہ تمھارے پروردگار نے تم پر کیا حرام ٹھہرایا ہے۔ یہ کہ کسی چیز کو اُس کا شریک نہ ٹھہراؤ، اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو، (اُن کے ساتھ کبھی کوئی برا رویہ اختیار نہ کرو)...... یہ باتیں ہیں جن کی اللہ نے تمھیں ہدایت کی ہے تاکہ تم سمجھ سے کام لو، (الانعام 151:6)

''تمھارے پروردگار نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ تنہا اُسی کی عبادت کرو اور ماں باپ کے ساتھ نہایت اچھا سلوک کرو۔ اُن میں سے کوئی ایک یا دونوں اگر تمھارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو نہ اُن کو اف کہو اور نہ اُن کو جھڑک کر جواب دو، تم اُن سے ادب کے ساتھ بات کرو۔ اور اُن کے لیے نرمی سے عاجزی کے بازو جھکائے رکھو اور دعا کرتے رہو کہ پروردگار، اُن پر رحم فرما، جس طرح اُنھوں نے (رحمت و شفقت کے ساتھ) مجھے بچپن میں پالا تھا۔ (لوگو)، تمھارے دلوں میں جو کچھ ہے، اُسے تمھارا پروردگار خوب جانتا ہے۔ اگر تم سعادت مند رہو گے تو پلٹ کر آنے والوں کے لیے وہ بڑا درگذر فرمانے والا ہے۔''، (بنی اسرائیل 17:25-23)

''پروردگار، تو مجھ کو بخش دے اور میرے والدین کو اور سب ایمان والوں کو بخش دے، اُس دن جب کہ حساب قائم ہوگا۔''، (ابراہیم 41:14)

''میرے مالک، تو مجھے معاف فرما دے، میرے ماں باپ کو معاف فرما دے، اُن سب کو معاف فرما دے جو میرے گھر میں مومن ہو کر داخل ہو جائیں۔''، (نوح 28:71)

''(سلیمان نے یہ سنا) تو اُس کی بات سے خوش ہو کر وہ مسکرایا اور بولا: اے میرے رب، مجھے توفیق دے کہ میں تیرے فضل کا شکر گزار رہوں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر فرمایا ہے اور ایسے اچھے کام کروں جو تجھے پسند ہوں اور اپنی رحمت سے، (اے پروردگار)، تو مجھے اپنے نیک بندوں میں داخل کر لے۔''، (النمل 19:27)

''ہم نے یہی حکمت لقمان کو بھی دی (اور ہدایت فرمائی تھی) کہ اللہ کا شکر ادا کرو اور جو شکر

کرے گا تو وہ اپنے ہی لیے شکر کرے گا اور جو ناشکری کرے گا (تو اللہ کو اُس کی کچھ پروا نہیں)، اِس لیے کہ اللہ بے نیاز ہے، وہ اپنی ذات میں ستودہ صفات ہے۔ (اِس کا لازمی تقاضا ہے کہ کسی کو خدا کا شریک نہ ٹھہرایا جائے)۔ یاد کرو، جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا کہ بیٹا، اللہ کے ساتھ شریک نہ ٹھہرانا۔ حقیقت یہ ہے کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ ہم نے انسان کو اُس کے والدین کے بارے میں بھی نصیحت کی ہے۔ اُس کی ماں نے دکھ پر دکھ اٹھا کر اُس کو پیٹ میں رکھا اور (پیدائش کے بعد) کہیں دو سال میں جا کر اُس کا دودھ چھڑانا ہوا۔ (ہم نے اُس کو نصیحت کی ہے) کہ میرے شکر گزار رہو اور اپنے والدین کے۔ (بالآخر) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔''، (لقمان 31:14-12)

''اور اپنے والدین کا فرماں بردار بھی تھا، سرکش اور نافرمان نہیں تھا۔''، (مریم 19:14)

''وہ تم سے پوچھتے ہیں کہ اچھا، پھر کیا خرچ کریں؟ کہہ دو کہ جتنا مال بھی خرچ کرو گے، وہ تمھارے والدین، اعزہ و اقربا، اور (تمھارے ہی معاشرے کے) یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے، (اِس لیے جتنی ہمت ہے، خرچ کرو) اور (مطمئن رہو کہ) جو نیکی بھی تم کرو گے، وہ ہرگز ضائع نہ ہو گی، اِس لیے کہ اللہ اُس سے پوری طرح واقف ہے۔''، (البقرہ 2:215)

''ایمان والو، انصاف پر قائم رہو، اللہ کے لیے اُس کی گواہی دیتے ہوئے، اگرچہ یہ گواہی خود تمھاری ذات، تمھارے ماں باپ اور تمھارے قرابت مندوں کے خلاف ہی پڑے۔''، (النساء 4:135)

''ہم نے انسان کو اُس کے والدین کے ساتھ نیک سلوک کی ہدایت کی ہے، لیکن (ساتھ ہی واضح کر دیا ہے کہ) اگر وہ تمھارے درپے ہوں کہ تم کسی کو میرا شریک ٹھہراؤ جس کا تمھیں کوئی علم نہیں ہے تو اُن کی بات نہ ماننا۔ تم سب کو میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے، پھر میں تمھیں بتاؤں گا جو کچھ تم کرتے رہے ہو۔''، (العنکبوت 29:8)

''ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کی ہدایت کر رکھی ہے۔ اُس کی ماں نے بڑی مشکل سے اُس کو اپنے پیٹ میں رکھا اور بڑی مشکل سے اُس کو جنا اور اُس کا پیٹ میں رکھنا اور اُس کا دودھ چھڑانا (کم و بیش) تیس مہینوں میں ہوا۔ یہاں تک کہ (اِن سب مراحل

سے گزر کر) جب انسان اپنی پختگی کو پہنچتا ہے اور چالیس برس کا ہو جاتا ہے تو دعا کرتا ہے کہ میرے پروردگار، مجھے سنبھال کہ میں تیرے احسان کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر فرمایا اور وہ نیک عمل کروں جو تجھے پسند ہیں۔ اور تو میری اولاد میں بھی میرے لیے نیک بختی پیدا کر دے۔ میں تیری طرف رجوع لایا اور بے شک، میں فرماں برداروں میں سے ہوں۔''،(الاحقاف 15:46)

''اور یاد کرو، جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو گے اور والدین کے ساتھ اور قرابت مندوں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک کرو گے۔''،(البقرہ 83:2)

''اور تم سب اللہ کی بندگی کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ، والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو اور قرابت مندوں، یتیموں، مسکینوں اور رشتہ دار پڑوسیوں اور اجنبی پڑوسیوں اور ہم نشینوں کے ساتھ بھی حسن سلوک سے پیش آؤ۔ اِسی طرح مسافروں اور لونڈی غلاموں کے ساتھ جو تمھارے قبضے میں ہوں۔ اللہ اُن لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو اتراتے اور اپنی بڑائی پر فخر کرتے ہیں۔''،(النساء 36:4)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس مسلم نے کسی دوسرے مسلم بھائی کو جس کے پاس کپڑا نہیں تھا، پہننے کو کپڑا دیا، اللہ تعالیٰ اس کو جنت کا سبز لباس پہنائے گا۔ اور جس مسلم نے دوسرے مسلم بھائی کو بھوک کی حالت میں کھانا کھلایا اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے پھل اور میوے کھلائے گا۔ اور جس مسلم نے پیاس کی حالت میں دوسرے مسلم بھائی کو پانی پلایا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت کی سر بمہر شراب طہور پلائے گا۔ (ابی داؤد، ترمذی)

مبشر نذیر

ترکی کا سفرنامہ (66)

ٹروجن ہارس

برسا سے 300 کلومیٹر کے فاصلے پر ''چناق قلعہ'' کا مشہور شہر واقع ہے۔ یہ بحیرہ مرمرہ کا آخری کونا ہے۔ یہاں سے بحیرہ مرمرہ ایک تنگ سی آبنائے کے ذریعے بحیرہ آگیان میں مُدغم ہو کر جنوب کی طرف بحیرہ روم میں جا ملتا ہے۔ اس لحاظ سے بحیرہ مرمرہ کسی سپیرے کی بین کی شکل اختیار کرتے ہوئے ایک ایسی جھیل بن جاتا ہے جو ایک طرف بحیرہ روم اور دوسری طرف بحیرہ اسود کے ساتھ دو تنگ سی آبناؤں کے ذریعے ملا ہوا ہے۔

چناق قلعہ شہر کے قریب ہی قدیم یونانی شہر ''ٹرائے'' کے آثار موجود ہیں۔ یہ شہر اب سے چار سے پانچ ہزار سال پہلے ایک بڑا تجارتی مرکز رہا ہے۔ کوئی تین ہزار سال پہلے یونان چھوٹی چھوٹی شہری ریاستوں میں تبدیل ہو گیا جن کے درمیان وسائل کی چھینا جھپٹی کے سلسلے میں جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ اس شہر سے متعلق ''ٹروجن ہارس'' کی مشہور زمانہ کہانی یونانی دیو مالا میں ملتی ہے۔

اس کہانی کے مطابق ٹرائے پر ایک دوسرے شہر کی فوج حملہ آور ہوئی اور انہوں نے اس کا محاصرہ کر لیا۔ طویل محاصرے کے باوجود شہر فتح نہ ہو سکا۔ ناکام ہو کر حملہ آوروں نے واپسی کا اعلان کر دیا۔ جاتے جاتے وہ لکڑی کا ایک بہت بڑا گھوڑا چھوڑ گئے۔ شہر کے لوگوں نے جب دشمن فوج کو واپس جاتے دیکھا تو قلعے کے دروازے کھول کر باہر نکلے۔ دیکھا کہ دشمن تو جا چکا ہے مگر ایک بہت بڑا لکڑی کا گھوڑا کھڑا ہے۔ وہ اسے یادگار سمجھتے ہوئے اندر لے گئے۔ جب رات ہوئی تو گھوڑے کے پیٹ کا دروازہ کھلا اور اس میں موجود دشمن کے سپاہی باہر نکلے۔ انہوں نے

طے شدہ منصوبے کے تحت شہر کے پھاٹک کھول دیے۔ ان کے ساتھی جو بظاہر جا چکے تھے، چپکے سے واپس آ گئے اور اس طرح شہر فتح ہو گیا۔ اس کہانی کی بدولت انگریزی ادب میں خفیہ سازش کے لیے ''ٹروجن ہارس'' کا محاورہ استعمال ہوتا ہے۔ اس گھوڑے کا ایک ماڈل اب بھی ''چناق قلعہ'' میں موجود ہے۔

ازمیر اور افسس

چناق قلعہ سے تین سو کلو میٹر جنوب میں ازمیر کا شہر واقع ہے جو ترکی کا تیسرا بڑا شہر ہے۔ اس کا قدیم نام ''سمرنا'' ہے۔ ازمیر کی وجہ شہرت اس سے 70 کلو میٹر کے فاصلے پر واقع قدیم شہر افسس (Ephesus) کے کھنڈرات ہیں۔ اس شہر کو عیسائی تاریخ میں بہت اہمیت حاصل ہے۔ سیدنا عیسی علیہ الصلوۃ والسلام کے بعد آپ کے حواریوں نے اناطولیہ کے علاقے کو اپنی دعوت کا مرکز بنالیا۔ شروع میں تو عیسائیوں کی حیثیت یہودیوں کے ایک ضمنی فرقے کی تھی جن پر آرتھوڈوکس یہودی ظلم و ستم کے پہاڑ توڑا کرتے تھے۔

اللہ کے عظیم رسول سیدنا مسیح علیہ الصلوۃ والسلام کو جھٹلانے کے سبب 70ء میں یہود پر اللہ کا عذاب رومی بادشاہ ٹائٹس کی شکل میں نازل ہوا جس نے یروشلم کو تباہ کر دیا اور یہودیوں کو غلام بنا کر پوری رومن ایمپائر میں منتشر کر دیا۔ یہودیوں کے مقابلے میں عیسائیوں کے ساتھ رومیوں کی پالیسی نرم تھی۔ عیسائیوں نے پورے اناطولیہ میں اپنی دعوت پھیلانا شروع کی۔ سینٹ پال جو کہ عیسائیت کے پرجوش مبلغ تھے، انہوں نے افسس کو اپنا مرکز بنایا۔ یہاں سے انہوں نے یونان کے مختلف شہروں میں موجود عیسائیوں کو جو خطوط لکھے، وہ بائبل کے عہد نامہ جدید میں ''رومیوں، کرنتھیوں اور گلتیوں کے نام'' کے عنوان سے موجود ہیں۔ پال نے ایک خط افسس شہر کے باشندوں کے نام بھی لکھا تھا جو کہ بائبل میں ''افسیوں کے نام'' کے عنوان سے موجود

ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اصحاب کہف کا تعلق بھی افسس سے تھا۔ ان سے منسوب ایک غار بھی یہاں پائی جاتی ہے۔ ایسی ہی ایک غار جنوبی ترکی کے شہر طرسوس اور ایک غار اردن میں عمان کے قریب بھی موجود ہے۔

شباطائی زیوی

ازمیر کی ایک مشہور شخصیت شباطائی زیوی ہے۔ مارک لیپر نے اپنے سفرنامے میں ان کے حالات لکھے ہیں۔ یہ صاحب 1626ء میں ازمیر کے ایک یہودی خاندان میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے یہودی فقہ کے عظیم مجموعے ''تالمود'' کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد ان کا رجحان تصوف کی طرف ہو گیا۔ انہوں نے یہودی تصوف یا کبالہ میں مہارت حاصل کی۔ اس زمانے کے یہودیوں میں ''ہزار سالہ'' نظریات گردش کر رہے تھے۔ ان نظریات کے مطابق اب تورات میں دی گئی پیشین گوئیوں کے مطابق ''مسیحا'' کی آمد کا وقت قریب تھا۔ اس قسم کے خیالات 1000 ہجری کے زمانے میں مسلمانوں کے اندر بھی موجود رہے ہیں۔ غالباً ہمارے ہاں بھی یہ خیال یہودیوں کی جانب سے آیا ہو گا۔

زیوی نے 1648ء میں مسیح موعود ہونے کا دعوی کر دیا۔ ان کا دعوی تھا کہ وہ یہودیوں کو دوبارہ اکٹھا کر کے اسرائیل کی عظیم سلطنت قائم کرنے کے لیے آئے ہیں۔ ترکی پر ان دنوں مسلمان عثمانی بادشاہوں کی حکومت تھی جو کہ غیر مسلموں کے معاملات میں قطعی مداخلت نہ کیا کرتے تھے۔ زیوی کی دعوت پھیلنے لگی۔ حلب کے ایک متمول یہودی رفائیل جوزف حلبی نے ان کی دعوت کو قبول کیا تو اپنی دولت اس کے لیے وقف کر دی۔ زیوی نے فلسطین کا رخ کیا۔ یہاں غزہ کے علاقے میں ان کی ملاقات ''ناتھن آف غزہ'' سے ہوئی جو کہ بعد میں ان کے دست

راست ثابت ہوئے۔

آہستہ آہستہ شباطائی زیوی یہودیوں کے سربراہ کی حیثیت اختیار کر گئے۔ انہوں نے تورات کی شریعت کو منسوخ کر دیا۔ان کا ارادہ تھا کہ یہودیوں کو منظّم کر کے اسرائیل کی سلطنت کو دوبارہ قائم کیا جا سکے۔ان کی دعوت اب نہ صرف سلطنت عثمانیہ بلکہ یورپ کے طول وعرض میں موجود یہودیوں میں پھیل چکی تھی۔ان کے عزائم کو بھانپتے ہوئے حکومت نے انہیں گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا مگران کے ساتھ اچھا سلوک کیا گیا۔

1666ء میں شباطائی نے اسلام قبول کرلیا۔اس کے نتیجے میں ان کے بہت سے مریدان سے بدظن ہو گئے۔اس کے باوجود انہوں نے سرکاری سرپرستی میں اپنا کام جاری رکھا۔ایک طرف انہوں نے مسلمانوں کو کبالائی تصوف سے آگاہ کیا اور دوسری طرف یہودیوں میں سے اپنے عقیدت مندوں کو اسلام کی طرف راغب کیا۔اس طریقے سے کبالائی تصوف اور اسلام کی آمیزش سے انہوں نے ایک نیا فرقہ پیدا کیا جو کہ ''شباطائی فرقہ'' کہلاتا ہے۔ان کے ماننے والے آج بھی ترکی میں پائے جاتے ہیں جو کہ بظاہر مسلمان ہیں لیکن اندر سے اپنی یہودی رسومات جاری رکھے ہوئے ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود و نصاری میں بھی مسلمانوں کی طرح مہدی اور مسیح ہونے کے بہت سے دعوے دار پیدا ہوتے رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک لوگ ان جھوٹے دعوے داروں کے ہاتھوں بے وقوف بنتے رہیں گے۔

[جاری ہے]

پروین سلطانہ حنا

غزل

اذیتوں کے مراحل سے جسم و جاں گزرے
رواں صدی کے مسائل بہت گراں گزرے

یہ روز و شب کی ریاضت، یہ ذوقِ کارِ جنوں
یہ انتظارِ مسلسل نہ رائیگاں گزرے

خود اپنے سائے کو اپنی گرفت میں رکھا
بلا کی دھوپ میں ایسے بھی سائباں گزرے

کسی کے درد کو محسوس کون کرتا ہے
مگر ہے شرط کہ خود پر بھی امتحاں گزرے

ڈھلے گی رات تو سورج ضرور نکلے گا
رہِ حیات میں ہم ایسے خوش گماں گزرے

کھلیں گے پھول ہر اِک سمت تیری یادوں کے
کچھ انتظار، ذرا موسمِ خزاں گزرے

ہم اس سمے کو حنا آؤ یادگار کریں
جو ایک لمحہ ترے میرے درمیاں گزرے

Please visit this link to read the articles and books of Abu Yahya online for free.

www.inzaar.org

To get Abu Yahya Quotes Join us on twitter:

Twitter ID: @AbuYahya_inzaar

To read Abu Yahya articles regularly Join us on Facebook

Abu Yahya Page: www.facebook.com/abuyahya.inzaar

Abu Yahya Account: www.facebook.com/abuyahya.jzsh

Join us on Youtube

Search inzaar on YouTube to see our audios and lectures

To get monthly books, CDs/USB and Inzaar's monthly magazines at home anywhere in Paksitan, contact # 0332-3051201 or 0345-8206011

To participate in online courses, visit

www.inzaar.org/online-courses/

To get any other information, email to globalinzaar1@gmail.com

Following material in audio form is available on USB/CD:

Quran Course by Abu Yahya

Quran Translation and Summary by Abu Yahya

Islahi Articles

Jab Zindagi Shuru Hogi (book)

Qasam Us Waqt Ki (book)

Aakhri Jang (book)

فون: 0332-3051201, 0345-8206011
ای میل: globalinzaar@gmail.com
web: www.inzaar.org

ماہنامہ

اِنذار

ایک دعوتی واصلاحی رسالہ ہے۔اس کا مقصد لوگوں میں ایمان واخلاق کی دعوت کو عام کرنا ہے۔ اس دعوت کو دوسروں تک پھیلانے میں ہمارا ساتھ دیجیے۔ یہ رسالہ خود بھی پڑھیے اور دوسروں کو بھی پڑھوایئے۔اپنے کسی عزیز، دوست، ساتھی یا رشتہ دار کے نام سال بھر رسالہ جاری کروانے کیلئے:

کراچی کے لیے 500، بیرون کراچی کے لیے 400 روپے کا منی آرڈر ہمارے پتے پر ارسال کیجیے......یا
ایک پے آرڈر/بینک ڈرافٹ بنام" ماہنامہ انذار" بینک الفلاح المحدود (صدر برانچ)
اکاؤنٹ نمبر 0171-1003-729378 کے نام بھجوایئے
رسالہ آپ کو گھر بیٹھے ملتا رہے گا

اگر آپ ہماری دعوت سے متفق ہیں تو ہمارے ساتھ تعاون کر سکتے ہیں، اس طرح کہ آپ:

1) ہمارے لیے دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ ہماری رہنمائی فرمائے
2) 'ماہنامہ انذار' کو پڑھیے اور دوسروں کو پڑھوایئے
3) تعمیرِ ملت کے اس کام کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے رسالے کی ایجنسی لیجیے

ایجنسی لینے کا طریقہ کار:

ایجنسی کے لیے ہر ماہ کم از کم پانچ رسالے لینا ضروری ہے
ایجنسی کا ڈسکاؤنٹ **20** فیصد ہے
ایجنسی لینے کے لیے اوپر دیئے گئے پتے پر رابطہ کیا جاسکتا ہے

ابو یحییٰ کا نیا چوتھا ناول شائع ہو گیا ہے

”خدا بول رہا ہے“

عظمتِ قرآن کا بیان ایک دلچسپ داستان کی شکل میں

”جس طرح کسی انسان کو اپنی کوئی اولاد بری نہیں لگتی البتہ بعض بچے دوسروں سے زیادہ پیارے ہوتے ہیں، اسی طرح ایک مصنف کو اپنی بعض تصنیفات زیادہ عزیز ہوتی ہیں۔ یہ قاعدہ اگر ٹھیک ہے تو ”خدا بول رہا ہے“ کی صورت میں اس دفعہ قارئین کی خدمت میں ایک ایسا ناول پیش ہے جس کے متعلق اس خاکسار کا خیال ہے کہ یہ اپنے پیغام کے لحاظ سے بہت موثر اور کہانی کے اعتبار سے بہت دلچسپ ہے۔ یہ اس مصنف ہی کا نہیں بلکہ ان تمام لوگوں کا بھی خیال ہے جن کی خدمت میں اسے ابتدائی فیڈ بیک یا اسکریننگ کے لیے پیش کیا گیا تھا۔ اس لیے امید ہے کہ قارئین اس ناول کو پچھلے ناولوں سے زیادہ مفید اور دلچسپ پائیں گے۔“

ابو یحییٰ

قیمت 350 روپے

رسالے کے قارئین رعایت کے ساتھ گھر بیٹھے حاصل کرنے کے لیے رابطہ کریں:

رابطہ: 0332-3051201, 0345-8206011

ای میل: globalinzaar@gmail.com

web: www.inzaar.pk

Monthly
INZAAR

JUL 2019
Vol. 07, No. 07
Regd. No. MC-1380

Publisher: Rehan Ahmed Printers: The Sami Sons Printers,

25-Ibrahim Mansion, Mill Street, Pakistan Chowk, Karachi